فقہِ اسلامی کا تاریخی ارتقاء



toobaa-elibrary.blogspot.com

جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

مطبوعاتِ حُرمت
بینک روڈ۔ راولپنڈی

فقہِ اسلامی کا تاریخی ارتقاء

جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

مطبوعاتِ حُرمت
بینک روڈ، راولپنڈی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جملہ حقوق بحقِ مُصنّف محفوظ

ضابطہ

طبع اوّل —— دسمبر ۱۹۸۳ء

تعداد —— ایک ہزار

مطبع —— برق سنز پرنٹرز، لمیٹڈ، اسلام آباد

قیمت —— ۲۰/- روپے

ناشر —— زاہد ملک

مطبُوعاتِ حُرمت

بینک روڈ راولپنڈی - فون : ۶۲۰۰۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ فی الدّین

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ
لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا
رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

(سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲)

اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہلِ ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُن کی آبادی کے ہر حصّے میں کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے، اور واپس جاکر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

(تفہیم القرآن)

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست مضامین

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

حرفِ آغاز

یہ مختصر کتاب اسلامی فقہ کے آغاز، نشوونما، ارتقاء اور پھر اس کے جمود کے تعلق سے مختلف فقہی ادوار کے جائزہ پر مشتمل ہے۔ اُردو زبان میں یہ کتاب معدودے ان چند کتابوں میں سے ایک ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ کتاب میں اختصار کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قاری کے لئے طویل اور غیر ضروری بحثوں میں اُلجھے بغیر اصل مقصود تک رسائی آسان ہو جائے، اور وہ صرف دو اڑھائی گھنٹے کی ایک دو مطالعاتی نشستوں میں فقہ اسلامی کے تاریخی ارتقاء سے ضروری واقفیت حاصل کر سکے۔ یہ کتاب ایسے قارئین کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے جو فقہ اسلامی کے تشکیلی اجزاء، اصول اور اصطلاحات سے پہلے ہی واقف ہوں، اور تاریخی ترتیب کے ساتھ اس کے ارتقاء سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہوں۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب فقہ اسلامی کے تاریخی ارتقاء سے واقفیت بہم پہنچانے میں ایک بنیاد کا کام دے گی اور جدید اسلامی فقہی ادب میں ایک اضافہ شمار ہو گی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان

(ڈاکٹر) تنزیل الرحمٰن

اسلام آباد
۵ رنومبر ۱۹۸۳ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ اسلامی کا تاریخی ارتقاء

قرآن و سنت کے تفقہ کا نام "فقہ اسلامی" ہے، بہ الفاظ دیگر قرآن و سنت میں غور و فکر کی وسعت "فقہ" کہلاتی ہے۔ فقہ کے فروعی مسائل قرآن و سنّت ہی سے اخذ کئے جاتے ہیں، یا کسی ایسے امر سے جو قرآن اور سنّت کی طرف منسوب ہو جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال۔ وہ صحابہ ہی ہیں جنہیں نزولِ قرآن اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و ارشادات کے شاہد اوّل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان حضرات کی آراء نورِ نبوت کی شعاعیں ہیں۔

صحابہ میں حضرت ابوبکر و عمر و علی و زید بن ثابت و معاذ بن جبل و عبد اللہ بن مسعودؓ و ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فقہاء صحابہ میں سے تھے۔ ان حضرات کی صحبت ابتداً سے آخر عہد نبوّت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رہی تھی اور سفر و حضر اور غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل رہا۔ ان حضرات نے اسلامی احکام و تعلیمات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں زیادہ حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی حضرات اصحاب فتویٰ ہوئے۔ لیکن افتاء کے موقع پر انتہائی حزم و احتیاط فرماتے۔ جب تک کسی واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صریح و قطعی ارشاد موجود نہ ہوتا اس کی نسبت ذات اقدس کی طرف اس خوف سے نہ فرماتے کہ کہیں ایسے امر کی نسبت آنحضرت کی طرف نہ جائے جو درحقیقت آپکا نہ ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کسی قسم کی زیادتی یا کمی کا باعث ہو۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ فتویٰ دینے کے بعد یہ فرمایا کرتے کہ یہ میری رائے ہے اگر درست ہوئی تو یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور اگر خطاء ہوئی تو یہ خود میرا فعل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعمال کو وجوب کے اعتبار سے سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ جمہور فقہاء نے سُنّتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد صحابہ کرام کے اقوال ہی کو اپنایا اور جس قول پر صحابہ کی اکثریت کو متفق پایا اس کو اجماع صحابہ قرار دے کر اس پر عمل فرمایا۔ بصورتِ دیگر متفرق صحابہ کے قول و عمل کو اپنی صوابدید کے مطابق جس کو کتاب اللہ و سنت سے قریب تر پایا اس کو اختیار فرمایا۔

فقہاء اہلِ سنت کے برخلاف شیعی فقہاء صحابہ کرام کے قول کو اپنے مسائل کی بنیاد نہیں بناتے۔ ان حضرات کے نزدیک صحابی کا قول حجّت نہیں۔ بلکہ ان حضرات کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی ذریات آئمہ فاطمہ کے اقوال سے حجت لانا ضروری ہے۔ لیکن ان شیعہ حضرات کے برخلاف جمہور فقہاء اہلِ سنت تمام صحابہ کرام کے اقوال و افعال کو سنت سے تعبیر فرما کر ان کا اتباع واجب قرار دیتے ہیں۔ البتہ کسی مسئلہ میں کسی صحابی کا قول موجود نہ ہونے کی صورت میں فقہا کرام اجتہاد کی طرف متوجہ ہوتے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے احکام شرعی کے اصول استخراج کے بارے میں ابنِ عبد البر نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے کہ "سفیان ثوری نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے ابوحنیفہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں حکم شرعی کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کو لیتا ہوں، جب میں کتاب اللہ میں حکم شرعی نہیں پاتا تو صحابہ رسول کے قول کو لیتا ہوں۔ اور اگر صحابہ کے متعدد اقوال ہوں اور ان میں باہم اختلاف ہو تو میں جس صحابی کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں اور جن صحابہ کے قول کو چاہتا ہوں اختیار نہیں کرتا۔ لیکن میں ان (صحابہ) کے قول سے غیر صحابہ کے قول کی طرف نہیں جاتا۔" (الانتقاء مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۲)

یعنی امام ابوحنیفہ کتاب و سنت کے بعد قولِ صحابی کو حکم شرعی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی مسئلہ میں کتاب و سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو مگر صحابی کا قول موجود ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ حجّت ہوگا۔ اور کسی غیر صحابی کا قول یا رائے قابلِ اعتبار نہ ہوگی۔

امام قرشی نے بھی الجواہر المضیئہ کے حاشیہ میں فرمایا ہے کہ "جب کسی مسئلے میں حدیث

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحیح وارد ہوتی تو امام ابوحنیفہ اس حدیث صحیح کا اتباع فرماتے اور (حدیث صحیحہ کی غیر موجودگی میں) اگر صحابہ یا تابعین[1] کی کوئی روایت موجود ہوتی تو اس کا اتباع فرماتے تھے۔ (حدیث صحیح یا قول صحابہ یا تابعین[2] نہ ہونے کی صورت میں) قیاس سے کام لیتے تھے۔ اور قیاس بھی وہ جو احسن یعنی سب سے بہتر ہو۔ اور کسی صحابی کے قول سے حجت لانا اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں قیاس کو دخل نہ ہو۔" غرض اس طرح اس فقہ کی بنیاد پڑی جس کو اس وقت کے محدثین فقہاء "فقہ الرائے" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ لیکن درحقیقت یہ فقہ "فقہ الحدیث" سے مختلف چیز نہیں ہے۔ اس فقہ کی بنیاد بھی قرآن وسنت ہی ہے، کیونکہ ایسے فقہاء کی رائے کا مآخذ بھی قرآن وسنت ہی ہوا کرتا اور ان کی رائے ان دونوں مآخذ سے تجاوز نہ کرتی۔

چنانچہ فقہاء اہل الرائے کے کسی مسئلہ میں رائے سے حکم مرتب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ کتاب وسنت کے معانی ومقاصد میں شرعی نقطہ نظر سے غور وفکر کے بعد کسی مسئلہ کے حکم کا استخراج کریں۔ احکام کے استخراج کی دو ہی صورتیں ہیں؛ ایک قیاس اشبہ بالاشبہ والمثل بالامثل اور دوسری مصلحت شرعیہ۔ کتاب اللہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احکام میں ان ہی دونوں امور کا لحاظ فرمایا ہے چنانچہ قیاس کے معنی یہ ہیں کہ جس معاملے میں کتاب وسنت کا حکم منصوص نہ ہو اس کو اس کے مشابہ منصوص مسئلہ پر محمول کر کے وہی حکم لگا دیا جائے جو منصوص مسئلہ میں دیا گیا ہے۔ اگر یہ مشابہت مسئلہ کے حکم کی علت میں ہوتی اور یہ علت غیر منصوص مسئلے میں بھی موجود ہوتی تو اس علت کی بناء پر منصوص مسئلہ کا حکم مرتب کر دیا جاتا۔ مصلحت کا اعتبار کر کے اس پر کسی حکم کا مرتب کر دینا اس صورت میں ہوتا جب کہ یہ مصلحت مقاصد شرعی کے مطابق ہوتی، ان کے خلاف نہ جاتی، یعنی یہ کہ جن مصالح کو شرع نے قابل اعتبار قرار دیا ہو، فقہا مسئلہ کا حکم صرف ان ہی مصالح کے مطابق قرار دیتے۔

---

[1] و [2] یہ قول غالباً درست نہیں کہ امام ابوحنیفہ تابعی کے قول کا اتباع فرماتے تھے۔ درحقیقت وہ صحابی کے قول کا اتباع فرماتے تھے، تابعی کا قول اُن کیلئے حجّت نہ تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالفاظ دیگر، فقہی اجتہاد کے لئے جو دیگر ذرائع و وسائل اور اصول و قواعد مقرر کئے گئے تھے ان تمام کا مرجع کتاب و سنت ہی تھا۔ اس بناء پر بآسانی یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہ اسلامی دراصل "فقہ القرآن والسنہ" ہی ہے، کیونکہ یا تو وہ ان دونوں مآخذوں سے واضح طور پر ماخوذ ہوگی، یا ان دونوں پر محمول ہوگی یا ان معانی پر محمول جو کتاب و سنت کا مقصود ہوں گے چنانچہ مجتہدین آئمہ فقہاء اس مسلک پر عمل پیرا رہے، اور اسی طرز پر فقہ اسلامی کی بنیاد قائم ہوئی اور اس کی زمانہ مابعد میں تدوین عمل میں آئی۔

یہاں یہ وضاحت کرنا غالباً ضروری ہے کہ فقہ اسلامی دفعۃً وجود میں نہیں آئی بلکہ جیسے جیسے انسانی زندگی ترقی کرتی گئی اس ترقی کے ساتھ فقہ اسلامی بھی ترقی پذیر ہوتی رہی، جوں جوں اسلام دنیا میں پھیلتا گیا اور فروعی مسائل پیدا ہوتے گئے، اسی قدر فقہی اجتہاد نے وسعت اختیار کرلی۔ اور اس میں تنوع پیدا ہوتا چلا گیا لیکن باوجود اس فقہی تنوع کے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب اللہ و سنت رسول یا سنت صحابہ کو اصول نہ بنایا گیا ہو بلکہ ہر دور میں یہی مآخذ بنیادی طور پر فقہ کی بنیاد رہے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ اسلامی کے تدریجی ارتقائی ادوار

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلا دور

فقہ عہد رسالتؐ میں
(آغازِ نبوّت سے وصالِ نبیؐ تک)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدِ مبارک "فقہ الوحی" سے عبارت ہے۔ آپ کے عہدِ مبارک میں تمام امور و اعمال کا مرجع وحی خداوندی تھی۔ اس لئے اجتہاد کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم کا نزول ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ان احکام کی تعلیم فرماتے جو اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کی طرف سے ان کے دینی و دنیاوی معاملات میں نازل ہوتے۔ ان کی تعلیم کا طریقہ آنحضرت کے بیان قولی و عملی کے ذریعہ ہوتا رہتا چنانچہ قرآن کریم کے اکثر احکام کلّیات کی صورت میں مجمل صادر فرمائے گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وضاحت و تفصیل اپنے قول و عمل سے فرمائی ہے جیسا کہ خود اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا ہے: انا انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (سورۃ النحل آیت ۴۴) ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن نازل کیا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے کھول کھول کر بیان فرمائیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان احکام کا تفصیلی طور پر بیان کرنا کبھی قولاً ہوتا اور کبھی فعلاً۔ مثلاً زکوٰۃ کے اموال۔ اونٹ، گائے، بکری، سونا چاندی کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً فرمائی۔ نماز کی ادائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تعلیم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود اس عمل کو کیا اور صحابہ کرام سے فرمایا "صلوا کما رأیتمونی اُصلّی"۔ جہاد کے تمام امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولی و عملی دونوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

طریقے اختیار فرمائے۔ چنانچہ جہاد کے فضائل آپ کی قولی تعلیم ہے اور اس کے آداب، شرائط اور طریقۂ کار آپ کی عملی تعلیم ہے۔ یہی حال مناسک حج اور روزوں کی تعلیمات کی تفاصیل کا ہے۔

پھر معاشرتی و معاملاتی امور کے سلسلے میں بھی آپ نے بذریعہ وحی تجارت (خرید و فروخت) زراعت، صنعت، رہن و شراکت وغیرہ جیسے تمام معاملات کی تعلیم فرمائی۔ ازدواجی تعلق قائم ہونے کا طریقہ، پھر اس تعلق کے قائم ہونے کے بعد جو احکام بذریعہ وحی آپ پر نازل فرمائے گئے ان کی تعلیم یہ سب کچھ وحی خداوندی کے ذریعے ہوتا رہا۔ قرآن کریم نے آپ کے تمام فرمودات کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا: وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الّا وحی یوحیٰ کہ آپ خواہش سے کچھ نہیں فرماتے اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ وہی ہے جو اللہ آپ پر وحی فرماتا ہے۔ چنانچہ جو احکام خود قرآن کریم نے بیان فرمائے اور جن کو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور جو آپ کے ارشادات (احادیث) سے ثابت ہوئے وہ ہمیشہ باقی اور قائم رہنے والے ہیں۔ لہٰذا قرآن و سُنّت کے احکام تاقیامت قائم و ثابت اور باقی رہیں گے جن میں کسی تغیر و تبدل کا کوئی امکان نہیں، الّا یہ کہ جن احکام کو خود قرآن نے تبدیل فرمایا، منسوخ ہو چکے، اب نسخ کی کوئی سبیل موجود نہیں۔ قرآن و سنّت کے احکام کا نسخ خود قرآن کے نازل کرنے والے کا اور سنت کا نسخ خود قائل سنت کا حق تھا۔ اب یہ کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ قرآن و سنّت کے ابدی احکام میں کوئی تبدیلی عمل میں لائے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مُبارک میں ایسا کوئی مسئلہ پیش نہ آیا جو اجتہادی نقطۂ نظر سے طے کیا گیا ہو؟ اگر ہے تو پھر ایسے مسائل کی اجتہادی قوت شرعی نقطۂ سے کیا ہو گی؟

درحقیقت عہدِ رسالتؐ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض امور میں بذاتِ خود بھی اجتہاد فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے بھی بعض مواقع پر اجتہاد سے کام لیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شرعی معاملے میں اجتہاد فرماتے، اگر وہ عند اللہ تعالیٰ صواب و درست ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو برقرار رکھا جاتا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کو منسوخ فرما دیا جاتا، چنانچہ غزوۂ بدر میں جو غنیم قیدی ہو کر آئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بنفسِ نفیس ایک رائے اپنے قلب مبارک میں محفوظ فرمائی اور پھر صحابہ کرامؓ سے بھی اس سلسلہ میں مشورہ فرمایا۔ بعض صحابہؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا اور بعض حضرات نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جماعت کا فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ پسند فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس رائے کا غیر صحیح ہونا ظاہر فرمایا اور اس سلسلہ میں یہ آیت نازل فرمائی ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ واللہ عزیز حکیم (سورہ انفال آیت ۶۷) کہ نبیؐ کے شایان شان نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جب تک کافروں کو قتل کر کے زمین میں کثرت سے ان کا خون نہ بہا دے، تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور خدا آخرت کی بھلائی چاہتا ہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

چنانچہ اسی بنیاد پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خطاء اجتہادی کا ازالہ فوراً بذریعہ وحی جلی و خفی ہو جاتا تھا۔ اس کا اتباع اور اس پر عمل کرنا واجب و لازم تھا۔ آپ کے اجتہاد کی انتہاء بالآخر اسی امر پر ہوتی تھی کہ وہ صواب اور منجانب اللہ ہے۔ جس کی قطعیت میں کوئی شبہ نہ ہو سکتا تھا جب بھی ایسا ہوتا آپ کو اس سے مطلع کر دیا جاتا۔ (جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں بیان کیا گیا) اور اگر خطا نہ ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی شرعی حکم قرار پاتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ بات یوں کہی جا سکتی ہے کہ چونکہ وحی کا سلسلہ جاری تھا لہٰذا آپ کے فرمودات اجتہاد کے دائرہ سے نکل کر وحی میں داخل ہو گئے اور ان کی حیثیت بعد میں اجتہادی نہ رہی بلکہ وہ فرمودات تابع وحی قرار پائے۔

رہا عہدِ نبویؐ میں صحابہ کرامؓ کا اجتہاد تو وہ عموماً سفر کی صورت میں پیش آیا کرتا، جب کہ یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرات حضور اقدس کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوتے اور آپ سے استفسار کا موقعہ نہ ہوتا، جیسا کہ ایک غزوہ کے موقع پر بعض صحابہؓ کو فرض غسل کی ضرورت پیش آگئی اور زمانہ انتہائی سرد موسم کا تھا، پانی برف کی مثل سرد تھا، انسانی جسم اس کے استعمال کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اگر استعمال کیا جاتا تو لامحالہ ضرر پہنچتا۔ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ آگ جلا کر پانی کو گرم کر لیا جاتا۔ چنانچہ اس موقع پر صحابہؓ نے اجتہاد سے کام لیا کہ ایسے موقعہ پر تیمم کیا جانا صحیح ہوگا، اور اس جواز کی علّت یہ قرار دی کہ جس طرح پانی موجود نہ ہو تو تیمم کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح اگر موجود ہو لیکن اس کے استعمال پر کسی طرح قدرت نہ ہو تو یہ موجود لاموجود کے حکم میں ہوگا اور تیمّم جائز ہوگا۔ پھر جب یہ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے سامنے مسئلہ پیش کیا گیا اور اس اجتہادی صورت کو بھی بیان کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم اجتہادی کو برقرار رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو برقرار رکھنا ایسا شرعی حکم قرار پایا گویا کہ وحی کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا ہو۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اجتہاد کی جتنی اور جو صورتیں پیش آئیں ان کی انتہا شرعی حکم پر ہوئی اور وہ حکم ان احکام کے مثل قرار پایا جو نصوص سے ثابت ہوئے ہیں۔

---

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرا دور

فقہ عہد صحابہ میں

(۱۱ھ سے خلفائے راشدین کے عہد تک)

صحابہ کے دَور میں نو بنو واقعات کثرت سے پیش آئے، خصوصاً امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں، اور آپ کے بعد ایسے واقعات میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس وقت ان حضرات کے لئے ایسے جدید واقعات میں جو عہدِ رسالت میں پیدا نہ ہوئے تھے اجتہاد سے کام لینا لابدی ہو گیا۔ چنانچہ یہ حضرات اوّلاً کتاب اللہ کی طرف توجہ فرماتے اور اس امر پر غور فرماتے کہ یہ جدید واقعہ کسی ایسے واقعہ سے جو حضورؐ کے عہدِ مبارک میں ہوا کتنا اور کس قدر مشابہ و مماثل ہے، تاکہ اس طریقے سے شرع اسلام کا حکم اس جدید واقعہ کے متعلق معلوم کر سکیں۔ لہٰذا جب کسی واقعہ کا حکم ان طریقوں کے ذریعے جو کتاب اللہ سے حکم ثابت ہونے کے لئے اصولاً مقرر تھے موجود پاتے تو اس واقعہ کے حق میں بغیر کسی تردّد کے وہی حکم صادر فرماتے۔

ثبوت حکم کے چار طریقے

کتاب اللہ کے ذریعے کسی حکم کا ثبوت کبھی عموم الفاظ سے ہوتا ہے اور کبھی خاص الفاظ کی خصوصیت حکم کو ظاہر کرتی ہے۔

کتاب اللہ کے ذریعے حکم کے ثبوت کے اصولاً چار طریقے مقرر ہیں:۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۔ عبارۃ النص ۔ یہ کہ حکم عبارت نص سے ثابت ہو۔

۲۔ اشارۃ النص ۔ یہ کہ حکم اشارہ نص سے ثابت ہو۔

۳۔ دلالۃ النص۔ یہ کہ حکم دلالت نص سے ثابت ہو۔

۴۔ اقتضاءُ النص ۔ یہ کہ حکم اقتضاء نص سے ثابت ہو۔

چنانچہ ان مذکورہ بالا طریقوں کی روشنی میں جو حکم ان حضرات کو حاصل ہو جاتا بلا شک و تردّد اس کو اس واقعہ کے حق میں نافذ فرما دیتے، لیکن اگر ایسی صورت ہوتی کہ پیش آمدہ واقعہ کا حکم مذکورہ کسی طریقے پر کتاب اللہ سے ثابت نہ ہوتا تو اب یہ حضرات سنت نبویؐ میں اس کی تلاش فرماتے، خواہ اس کے متعلق حضورؐ کا کوئی عمل ہوتا یا اس کے متعلق کوئی حدیث مروی ہوتی۔ بطور مثال، جدہ کی میراث کے سلسلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے واقعہ پیش آیا تو آپ نے اولاً آیات مواریث کتاب اللہ پر غور فرمایا اور جب ان میں جدہ کی میراث کا کوئی حکم کسی طرح نہ پایا، تو فرمایا کہ کتاب اللہ میں جدہ کی میراث کا کوئی حکم موجود نہیں، پھر آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور ان سے فرمایا کہ کیا آپ میں سے کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدہ کے متعلق کسی فیصلے کا علم ہے؟ تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو ⅙ حصہ مرحمت فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر دیگر صحابہ کی جانب متوجہ ہوئے اور دوسرے صحابہ نے اس کی تائید کی لہٰذا آپ نے جدہ کو ترکہ کا ⅙ حصہ دلا دیا۔

صحابہ کرام کا طریقہ اجتہاد

صحابہ کرام جب کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی جدید واقعہ کے متعلق کوئی حکم نہ موجود پاتے تو اس وقت اجتہاد کی جانب متوجہ ہوتے۔ صحابہ نے اجتہاد کے لئے دو اصول مقرر فرمائے تھے: ایک قیام مثل بالمثل (قیاس) اور دوسرے مصلحت عامہ جو شرع کے مخالف نہ ہو۔ صحابہ کی ایک جماعت پہلے اصول (قیاس) میں زائد مشہور تھی۔ یہ حضرات جب

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسی معاملہ میں کوئی نص موجود نہ پاتے تو کسی جدید واقعہ کو اس واقعہ پر قیاس فرماتے جس کے متعلق نص وارد ہوئی ہو۔ اس جماعت کے سرخیل حضرت عبداللہ ابن مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تھے۔

دوسری جماعت دوسرے اصول (مصلحت عامہ) کو اپنائے ہوئے تھی۔ اس جماعت کے سرخیل حضرت سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تھے۔ آپ حکومت کے تمام انتظامات اور تنظیم میں مصالح عامہ کا زیادہ لحاظ فرمایا کرتے۔ ایک جماعت ایسی بھی تھی جو مذکورہ دونوں اصول کی جامع تھی جیساکہ امیر المومنین سیدنا علی بن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔ چنانچہ آپ نے قیاس سے کام لے کر شرابی کی حد کو حد قذف پر قیاس فرماکر اس کے لئے حد قذف کی سزا تجویز کی اور فرمایا کہ جو شخص شراب پیئے گا، وہ ہذیان بکے گا اور جو ہذیان بکے گا وہ افترا کا مرتکب ہوگا اور مفتری کی حد اسّی کوڑے (۸۰) ہیں جو نص سے ثابت ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے مسئلہ میں آپ نے مصلحت کو حکم کی بنیاد قرار دیا۔ چنانچہ ایک صنعت کار پر اس کی لاپرواہی کے سبب ضمان عائد کردینے کا حکم مصلحت عامہ کی بنیاد پر دیا اور فرمایا کہ اس کے بغیر لوگوں میں اصلاح کی صورت ممکن نہیں ہوسکے گی۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ ملکی انتظامات کا مدار مصالح عامہ اور دفع ضرر پر مبنی تھا۔ اور ایک عادل و صالح امام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے دفع ضرر اور ان کے لئے حصول مصالح پر عامل ہو۔ کیونکہ حکومت کے قیام کی اصل غرض یہی ہوتی ہے۔ لیکن عدالتی معاملات و فتاویٰ کی صورت میں آپ اصول قیاس پر عمل کرتے تھے۔ آپ جس معاملے میں نص نہ ہو اس میں اپنے نائبین (حاکم و قاضی) کو قیاس ہی کی ہدایت فرمایا کرتے۔ چنانچہ آپ نے اپنے عامل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ کو جو فرمان تحریر فرمایا تھا اس میں آپ کے یہ الفاظ تھے۔

"ان یلحق الاشباہ بالاشباہ والامثال بالامثال ولقیس الامور"۔ یعنی جن معاملات میں باہم زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مثلیت ہو ان کو ان کے مثل و مشابہ کے ساتھ لاحق کردینا اور قیاس پر عمل کرنا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قیاس اور مصلحت عامہ میں فرق

مصلحت کے یہ معنی ہیں کہ شریعت کے عام مقاصد و مطالب کو پیش نظر رکھ کر کوئی حکم دیا جائے اور قیاس کے یہ معنی ہیں کہ کسی معین نص کے کسی واقعہ کو پیش نظر رکھ کر ایک جدید واقعہ کے متعلق یہ غور کیا جائے کہ واقعہ منصوصہ سے یہ واقعہ جدیدہ کس قدر مشابہ اور قریب تر ہے۔ گویا قیاس حقیقت میں نص پر عمل کرنا ہی ہوتا ہے، کیونکہ قیاس کے ذریعہ ایک مخصوص واقعہ نص پر ایک جدید واقعہ کو محمول کیا جاتا ہے۔ بخلاف مصلحت کے، کہ اس اصول میں شرع کے معانی و مقاصد کلیہ کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے جس میں غلطی یا خطأ کا زیادہ امکان ہوتا ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے نزدیک یہی انسب قرار پایا کہ مملکت کے انتظامی امور میں شرع اسلام کے مقاصد کلیہ و معانی مقصودہ کو پیش نظر رکھ کر مصلحت کے متعلق یہ غور کیا جائے کہ یہ مصلحت عامہ شریعت کے مقاصد و معانی کے خلاف تو نہیں ہے۔ نیز یہ کہ شرع کے دیگر احکام سے تجاوز تو نہیں ہو رہا ہے اور یہ کہ آیا مصلحت عامہ کے اصول کا اختیار کرنا ان مقاصد کی تکمیل کا باعث ہوگا۔

اقوالِ صحابہ سنّت نبویؐ کے درجہ میں ہیں

امّت مسلمہ کے تمام فقہائے نے (ماسوائے شیعہ جعفریہ) صحابہ رضی اللہ عنہم کے فقہی اقوال کو سنّت نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ دیا ہے۔ اہلسنت ان اقوال و احکام کے اتباع کو اسی درجہ میں محسوس کرتے ہیں جو درجہ سنت نبویؐ کا ہوتا ہے۔

---

toobaa-elibrary.blogspot.com

تیسرا دَور

فقہ تابعین کے عہد میں

(خلافت راشدہ کے بعد سے پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ عرصہ بعد تک)

تابعین ان حضرات کو کہتے ہیں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت میں رہ کر ان کے علوم سے فیض یاب ہوئے جس طرح صحابہ کرام نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے بلاواسطہ استفادہ کیا تابعین نے صحابہ کے واسطے سے ان علوم نبوت کا استفادہ کیا۔ ان حضرات کے تابعی ہونے کی وجہ تسمیہ قرآن کریم کی وہ آیت قرار پائی ہے جو مہاجرین اور انصار کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی "والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ واعد لھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابداً ذالك الفوز العظیم"۔ چنانچہ یہ حضرات وہی تابعین ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کی صحبت کا فیضان اور علوم دنیا و دین کے روحانی اوصاف کو حاصل کیا اور پھر ان علوم کو اپنے بعد آنے والے حضرات تک پہنچایا۔

تابعین حضرات کے دو عمل ایسے ہیں جو تاریخ اسلامی میں رہتی دنیا تک قائم رہیں گے:

اوّل: یہ کہ ان حضرات نے صحابہ کے علم کی اس طرح اشاعت کی کہ ان تمام احادیث کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی تھیں دوسروں تک پہنچا دیں۔ اس طریقے سے سنت نبوی کا ذخیرہ ضائع ہونے سے محفوظ ہوگیا۔ واضح رہے کہ جن صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی صحبت کو اپنا شعار بنا لیا تھا، وہ تمام صحابہ ثقہ تھے جن کی نقل روایت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی۔ ان حضرات میں سے ہر صحابی جو روایت کرتا اس وقت

toobaa-elibrary.blogspot.com

روایت کرتا جبکہ حضور کے اس مروی ارشاد پر اس کے پاس کوئی دلیل عینی یا سماعی ہوتی، بلکہ بعض صحابہ اس قدر محتاط تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو روایت کرنے سے اس بنا پر خوف کھاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بیان میں تغیر یا کسی قسم کی کمی وبیشی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ صحابہ کی مرویات کا نقل کرنا گویا علوم نبوت کے سرچشمہ کی دوسری شاخ تھی۔ اس طرح قرآن کریم کی آیات واحکام کی تفسیر و توضیح کی حفاظت کا سامان کر دیا گیا جس کا وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود فرمایا تھا۔

دوم: یہ کہ ان تابعین حضرات نے صحابہ کرام کی فقہ کو جہاں نقل کیا وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بھی روایت کیا اور فقہ صحابہ کو احادیث نبوی کا ایک چشمہ تصور فرمایا، بلکہ بعض فقہاء تابعین نے تو عبادات کے احکام میں اس کو حدیث کا درجہ دیا ہے کیونکہ عبادات کے احکام میں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ صحابہ بغیر مشاہدہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر علم حاصل کئے محض اپنی رائے سے کوئی حکم دیتے بلکہ ایسے احکام میں یہ ضروری تھا کہ ان کے متعلق یہ یقین کیا جائے کہ ان کو ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لیا ہوگا، اگرچہ انہوں نے اس کی صراحت نہ کی ہو، کیونکہ شرعی مقادیری احکام اور ان کی تفصیل کا علم نقل ہی سے ممکن تھا نہ کہ عقل سے، مثلاً عبادات کے احکام۔

تابعین کی آراء

ان تابعین حضرات کو فقہ صحابہ و احادیث نبوی کی نقل کے ساتھ ساتھ خود اپنی ذاتی فقاہت بھی کامل طور پر ودیعت ہوئی تھی، جس کی بنیاد کتاب اللہ وسنت نبوی و فقہ صحابہ پر تھی۔ اس کے بعد ان کی رائے کا درجہ ہوتا۔ اس کی اساس بھی صحابہ کرام کی طرح دو امور پر مبنی ہوتی، قیاس اور مصلحت۔ رائے پر عمل کرنے میں جو جماعتیں وجود میں آگئی تھیں ان میں ایک جماعت وہ تھی جس کی رائے کی بنیاد مصالح عامہ پر زیادہ ہوتی، ایک جماعت ایسی بھی تھی جو آثار صحابہ سے اپنی رائے قائم کرتی۔ قیاس محض یا مصلحت محض ان کے اقوال میں بہت قلیل درجہ پر تھی۔ اس جماعت کی اکثریت اہل حجاز پر مشتمل تھی۔ کچھ تابعین ایسے بھی تھے کہ جب کتاب اللہ یا سنت رسول یا اقوال صحابہ سے ان کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

کوئی حکم نہ ملتا تو وہ توقف اختیار فرما لیتے، اس خوف سے کہ کہیں اپنی رائے کے ذریعہ ایسی بات نہ کہہ دیں جو درحقیقت دین نہ ہو اور مبتدعین میں شامل ہو جائیں۔

اختلاف آراء کا سبب

آراء کی کثرت وقلت اور اس میں اختلاف کی وجہ یہ ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مملکت اسلامیہ کے دُور دراز مقامات پر منتشر ہو چکے تھے۔ چنانچہ اہل عراق ان فقہا صحابہ کا اتباع کرتے جو عراق میں سکونت پذیر اور اپنی فقاہت میں مشہور تھے اگرچہ ان حضرات کی تعداد قلیل تھی۔ چنانچہ جن صحابہ نے عراق میں سکونت اختیار کی اور فقاہت میں شہرت پائی ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں۔ اہل عراق کی فقہ کا مرجع زیادہ تر آپ ہی کی فقہ ہے۔ دوسرے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ دونوں حضرات اسلامی فقہ کے سلسلہ میں قدرت علی القیاس اور رائے محکم میں انتہائی درجہ مشہور ومعروف تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو نئے واقعات میں نصوص کے ساتھ ارتباط کی ایک عظیم قوت عطا فرمائی تھی۔

حجاز میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت موجود تھی۔ حضرت عمر وعبداللہ ابن عمر وزید بن ثابت و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ تھے۔ تابعین کے بعد ان کے تلامذہ (تبع تابعین) نے ان کے علوم کو حاصل کیا۔ جن میں حضرت سعید بن المسیب کے شاگرد ابن شہاب زہری، جو کہ اپنے استاد کے ذریعے حضرت عمر وعبداللہ بن عمر کی فقہ کے حامل ناقل تھے۔ خاص طور پر فقہ الرائے اور آثار صحابہ کے جامع تھے۔

---

toobaa-elibrary.blogspot.com

چوتھا دَور

فقہ آئمہ مجتہدین کے عہد میں

(دوسری صدی ھجری سے لے کر تیسری صدی ھجری کے اختتام تک)

تابعین کے عہد میں فقہ باضابطہ وجود میں آگئی تھی، جس کو ہم فقہ تقدیری یا فرضی فقہ کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ اور اکثر حجازی فقہاء صرف ان نوپیدا شدہ واقعات و مسائل کے متعلق فتوے صادر فرمایا کرتے جو وقوع پذیر ہوتے اور وجود میں آجاتے۔ ایسے واقعات جن کا کوئی وجود نہ ہوتا بلکہ محض فرض کر لیے جاتے' ان کے بارے میں حکم دینا ان حضرات کا شعار نہ تھا، لیکن تابعین فقہاء عراق میں ایسی فقہ کا ظہور بھی ہو گیا تھا جس کو فقہی نقطہ نظر سے فقہ تقدیری یعنی فرضی کہا جاتا تھا۔ اس کی نوعیت یہ تھی کہ فقہاء از خود ایسے جزئی مسائل فرض کر لیتے جو اس وقت وجود میں نہ آئے تھے لیکن ممکن الوقوع ہوتے۔ اور پھر قیاس کے ذریعہ ان پر شرعی احکام مرتب فرماتے۔ ان حضرات کا منشائیہ تھا کہ کتاب و سنت سے جن واقعات پر کوئی حکم صادر کیا گیا ہے ان کی علتوں تک پہنچا جائے کہ کن علتوں اور اسباب کی بناء پر اس حادثہ یا واقعہ میں وہ حکم دیا گیا ہے اور ان فرضی مسائل کے حق میں کتاب و سنت کی عبارات سے بصورت دلالت نص یا اقتضاء و اشارت نص کیا حکم دیا جا سکتا ہے' یا حکم کی بنیاد کتاب و سنت میں مذکور کن علتوں پر رکھی گئی ہے، تاکہ اگر یہ علتیں کسی ایسے نئے واقعہ میں پائی جائیں جو اگرچہ ابھی واقع نہیں ہوا لیکن اس کا واقع ہو جانا ممکن ہے تو کیا حکم دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریقے کو بکثرت اپنایا یعنی فرضی مسائل کے سلسلہ میں علتوں، اسباب اور اوصاف کی چھان بین پھر ان کا کتاب و سنت سے ثابت شدہ مسائل پر منطبق کرنا۔ آپ نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس تطبیق کے اس طریقے کو اپنے طریقہ استنباط میں اس کثرت سے شامل فرمایا کہ یہ کہا جانے لگا کہ امام ابو حنیفہ ہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے اس طریقے کو ایجاد کیا، حالانکہ ایسا نہیں تھا بلکہ یہ طریقہ عراقی فقہا میں امام صاحب سے پہلے موجود تھا، چنانچہ حضرت ابراہیم نخعی اور شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ (جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ و اساتذہ میں سے تھے) نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ لیکن ان مذکورہ بالا حضرات سے یہ طریقہ مشہور نہ ہوا۔ غالبًا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرات عمومًا ایسے مسائل کے متعلق فتوے دیتے جو وجود میں آجاتے۔ یا وہ مسائل ان کے پاس ہی محفوظ تھے جب تک واقع نہ ہو جائیں۔ نیز یہ کہ ان کے فقہی مسائل کی تدوین نہ کی گئی اور وہ فقہ تقدیری کے بانی کی حیثیت سے مشہور نہ ہوئے۔

البتہ امام شعبی جو حضرت ابراہیم نخعی کے ہم عصر تھے اس قسم کے فقہ کے نہایت مخالف تھے۔ ان کے تلامذہ میں سے اگر کوئی شخص کسی قسم کا فرضی مسئلہ پیش کر دیتا تو آپ اس کو نصیحت فرماتے کہ جب تم سے کسی پیش آمدہ مسئلے کو دریافت کیا جائے تو جواب دینا۔

خلاصہ یہ کہ فقہ تقدیری (مسائل کو فرض کر کے) ان کے احکام کے استخراج کا سلسلہ تابعین کے عہد میں کثرت سے رائج ہو گیا تھا۔ فی الحقیقت کسی غیر موجود واقعہ کو موجود فرض کر کے اس پر حکم مرتب کرنا یہ حد سے تجاوز نہ تھا بلکہ درا صل یہ امر فقہ کی وسعت اور اس کے میدان کی کشادگی کا سبب تھا۔ چنانچہ اگر امام ابو حنیفہ اور ان کے لائق شاگرد امام محمد نے ان مسائل کو اپنی کتاب الاصل میں مدون کر کے دنیا کے سامنے پیش نہ کیا ہوتا تو آج فقہ بے مایہ نظر آتی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فقہ میں سب امام ابو حنیفہ کی عیال (اولاد) ہیں۔

تابعین کے بعد

تابعین کے بعد آئمہ مجتہدین کا دور شروع ہوا۔ ان حضرات آئمہ میں (امام ابو حنیفہ کو چھوڑ کر جو خود تابعی تھے) بڑے درجہ کے تمام مجتہدین تابعین کے تلامذہ میں سے تھے، جنہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے تابعین کی ایک جماعت سے استفادہ کیا تھا جن میں مالک بن انس، حضرت ابراہیم نخعی، عطاء، حسن بصری، حماد بن سلیمان وغیرہ شامل ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین سے ان کی فقہ و روایت اور حدیث و فقہ صحابہ کا استفادہ کیا، مثلاً عبداللہ بن عمرو و زید بن ثابت وغیرہ صحابہ کی فقہ کے آپ راوی ہیں پھر کچھ حصہ فقہ قیاس کا آپ نے تابعی ربیعہ الرائے سے حاصل کیا۔

امام اوزاعی فقیہ شام مشہور تھے انہوں نے بھی بہت سے شامی تابعین سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ان کی فقہ کو اپنایا۔ طبقہ اولیٰ کے بعد دوسرے طبقہ کے آئمہ اکابر صاحب مذاہب نے بھی تابعین کے علوم سے استفادہ کیا اور ان کے تلمذ کو اپنے لئے باعث شرف تصور کیا، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رضی اللہ عنہ کی شاگردی اختیار کی، اس کے بعد بعض صغار تابعین مثلاً سفیان بن عینیہ سے روایات احادیث کو اخذ کیا، امام احمد بن حنبل نے امام شافعی وغیرہ سے استفادہ کیا۔

چنانچہ تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے آخری عہد میں فقہی مکاتب ایک دوسرے سے ممیز ہو چلے تھے اور ان کا طریقہ کار بھی مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوا، اگرچہ یہ اختلاف تباین و تضاد کی شکل میں نہ تھا۔ عراق میں مختلف فقہی مکاتب موجود تھے جن میں سے ہر ایک کا فقہی منہاج (methodology) دوسرے سے مختلف تھا۔ مدینۃ الرسول کا مکتبۂ فقہ کثرت آثار کی بناء پر دوسرے مکاتب سے ممتاز تھا، اور اس کی رائے عموماً مصلحت عامہ پر مبنی نہ ہوتی بلکہ اس میں قیاس کے اصول سے بھی کام لیا جاتا تھا۔

مکہ مکرمہ کا مکتبۂ فقہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات و آثار و فقہ پر مبنی تھا جن کا استخراج احکام کا طریقہ عام طور پر آیات قرآن حکیم ہوا کرتا اور اسی پر ان کی فقہ مبنی ہوتی۔ ظاہر ہے کہ اس مکتبۂ فقہ کے شیخ کی شخصیت وہ تھی جن کے متعلق علماء میں مشہور تھا کہ وہ ترجمان القرآن اور عالم امت ہیں۔ اسی مکتبۂ فقہ نے امام شافعی کی ذات میں اپنا مکمل اثر قائم کیا تھا اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی وجہ سے آپ کا مرکز توجہ زیادہ تر قرآن کریم سے استخراج احکام رہا۔ چنانچہ اصول فقہ کی بنیاد یعنی قرآنی آیات میں عموم و خصوص کے بیان کی تنقیح، پھر عام طور پر خاص کا اثر انداز ہونا یا نہ ہونا اور اثر انداز ہو کر اس میں تخصیص پیدا کرنا یا نہ کرنا جیسی ابحاث کا آغاز امام شافعی ہی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس کے ساتھ ہی قرآن عظیم کے طریق بیان کی تقسیم و تفصیل امام شافعی ہی کی علمی کاوش کا نتیجہ تھی۔ آپ سے قبل اس پر قرار واقعی توجہ نہ دی گئی تھی۔ یہ در حقیقت مکہ مکرمہ کے فقہی مکتب کا اثر تھا۔ چونکہ امام شافعی نے مکہ، مدینہ اور عراق ہر سہ مقامات کے فقہاء و مجتہدین سے استفادہ کیا تھا اس لئے آپ کی فقہ میں ایک جانب استخراج احکام کتاب اللہ و سنت رسول سے ہے تو دوسری جانب قیاس و اجتہاد میں بھی وہ ایک بلند مقام پر فائز ہیں۔

مختلف فقہی مکاتیب کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب مذکورہ بالا طریق کار کی بنا پر مختلف ہو گئے۔ لہٰذا ہر ایک امام کا مکتبۂ فقہ دوسرے سے مختلف قرار پایا اور ہر امام کے تلامذہ نے اپنے شیخ و استاد کے طریقۂ فقہ کو اپنانا شروع کر دیا۔

چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (المتولد ۸۰ھ والمتوفی ۱۵۰ھ) کا مکتب فقہ کوفہ میں قائم ہوا۔ آپ کے تلامذہ آپ سے فقہ میں آپ کے طریقہ پر استفادہ کرتے اور اس طریقہ پر مسائل کا حل دریافت کرتے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اصول قیاس و استحسان

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ رجال علم و ادب اکثر و بیشتر اپنی کنیت، لقب یا تخلص سے شہرت پاتے ہیں اور ان کے اصل نام سے عوام الناس کم واقف ہوتے ہیں۔ یہی صورت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آئی۔ چنانچہ دنیا آپ کو اصل نام نعمان کی بجائے آپ کی کنیت ابو حنیفہ یا آپ کے لقب امام اعظم کے نام سے یاد کرتی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام نعمان بن ثابت بن زوطی ہے۔ آپ شہر کوفہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ تاجر خاندان کا فرد ہونے کے سبب آپ کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ آپ کی تعلیم سے رغبت اور توجہ کے متعلق "عقود الجمان" میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز آپ بازار سے گزر رہے تھے کہ راستے میں امام شعبی کی (جو اپنے عہد کے اکابر علمائے میں شمار ہوتے تھے) آپ پر نظر پڑی۔ آپ سے پوچھا کہ کس سے پڑھ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کسی سے بھی نہیں۔ امام شعبی نے کہا کہ مجھے تم میں علمی قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں، تم علما کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ امام شعبی کی یہ نصیحت دل میں گھر کر گئی اور آپ نے حصول علم کی طرف توجہ کی اور اس قدر علم حاصل کیا کہ ایک دَور وہ آیا کہ اس زمانہ کے زبردست عالم شعبہ نے جو بڑے پایہ کے محدث تھے امام ابوحنیفہ کے متعلق فرمایا کہ جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اس یقین کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہمنشیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے علوم متداولہ مثلاً قرآن، حدیث، تفسیر، ادب، انساب، ایام العرب اور فقہ اور کلام میں دسترس حاصل کی۔ ابتدائً علم کلام کی طرف زیادہ رجوع رہے اور اپنے فطری ذوق اور جودت طبع کے سبب اس فن میں کمال پیدا کیا، لیکن بعد میں فقہ کی جانب مائل ہوئے اور ساری عمر اس کی نذر کر دی۔ علم فقہ کی تحصیل امام حماد جو اپنے وقت کے استاد سمجھے جاتے تھے سے کی۔

فقہ کے ساتھ آپ نے علم حدیث کی جانب بھی توجہ کی۔ چنانچہ حدیث کے سلسلہ میں امام صاحب کی دو خصوصیات اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک کثرت شیوخ اور دوسرے حدیثوں کی روایت کے سلسلے میں انتہائی تحقیق و احتیاط، اسی سبب سے آپ کی حدیثوں کے اکثر راوی تابعین ہیں۔

حماد کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہو گیا۔ لوگوں نے امام صاحب کو بہ اصرار مسند درس پر بٹھایا اور امام صاحب نے سلسلہ درس شروع کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ شہرت پائی کہ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیرۃ النعمان" میں لکھا ہے کہ اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حصہ ایسا نہ رہا جو ان کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو۔

امام صاحب کی غیر معمولی قابلیت اور جودت ذہن کی اس قدر شہرت ہوئی کہ جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو ہر طرف خبر پہنچ جاتی اور جس شہر اور گاؤں سے آپ کا گزر ہوتا ہزاروں آدمی آپ کا استقبال کرنے کے لئے جمع ہو جاتے۔

امام صاحب ایک حق گو، نڈر اور بیباک عالم تھے۔ جب ان سے کسی مسئلہ میں رائے پوچھی جاتی یا کوئی فتویٰ مانگا جاتا تو وہ بلا خوف و جھجک صحیح بات کہہ دیتے۔ آپ کے بعض فتوے ملکی مصالح یا برسر اقتدار طبقہ کی خواہش کے خلاف ہوتے مگر آپ بلا خوف و خطر اور رو رعایت اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔ حکومت وقت آپ کی اس جرأت و بے باکی میں ایک مستقل خطرہ دیکھ رہی تھی۔ ادھر حکومت بنو امیہ کے خلاف اندر اندر سازشیں ہو رہی تھیں اور بنو عباس آہستہ آہستہ قوت پکڑتے جا رہے تھے۔ چنانچہ حکومت وقت نے یہ خیال کیا کہ اگر اکابر علما کو حکومت کا ہمنوا بنا لیا جائے تو مخالفین کا زور گھٹ جائے گا اور علماء کے زیر اثر عوام کی قوت حکومت کے ساتھ ہو جائے گی۔ چنانچہ کوفہ کے گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ نے عراق کے فقہا کو جن میں قاضی ابن ابی لیلی، ابن شبرمہ اور داؤد بن ہند بھی شامل تھے بلا کر اعلیٰ عہدوں پر مامور کیا۔ امام صاحب کو بھی بلایا اور اعلیٰ عہدہ کی پیش کش کی۔ امام صاحب جانتے تھے کہ یہ پیشکش انہیں حکومت کے خلاف کلمۂ حق کہنے سے باز رکھنے کے لئے کی جا رہی ہے، چنانچہ امام صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ یزید نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہو گا مگر امام صاحب اپنے انکار پر جمے رہے۔ یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز دس کوڑے لگائے جائیں۔ سزا کی تعمیل شروع ہو گئی اور امام صاحب پر ہر روز دس کوڑے لگائے جانے لگے لیکن امام صاحب اپنے موقف پر قائم رہے کہ وہ حکومت میں کوئی عہدہ قبول نہ کریں گے۔ بالآخر یزید نے مجبور ہو کر حکم سزا منسوخ کر دیا اور رہائی کے بعد امام صاحب مکہ معظمہ چلے گئے۔ امام صاحب کا عہدہ قبول نہ کرنے کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ حکومت وقت کو ایک ظالم حکومت سمجھتے تھے اور خود کو کسی ظالم حکومت سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

وابستہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔

۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں بنو امیّہ کا خاتمہ ہو گیا اور عباسیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا۔ اس کے زمانے میں امام صاحب مکہ معظمہ سے واپس کوفہ آ گئے اور تدوین فقہ کے عظیم الشان کام کی بنیاد ڈالی۔

ابو العباس کا انتقال ۱۳۶ھ (۷۵۴ء) میں ہو گیا۔ اس نے مرتے وقت اپنے بھائی ابو جعفر عبداللہ منصور کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ ابو جعفر اس وقت سفر مکہ میں تھا۔ سفاح کے انتقال کی خبر سنتے ہی کوفہ لوٹ آیا اور تخت نشین ہو گیا۔ ابو جعفر منصور نے بنی فاطمہ کے ساتھ ناقابل بیان زیادتیاں کیں تاکہ اس کی خلافت کے لئے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ منصور کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ نے جن کا سلسلہ نسب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا تھا منصور کے خلاف بغاوت کر دی۔ اکابر علماء نے فتویٰ دیا کہ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے اگرچہ نفس ذکیہ بڑے دلیر اور جنگجو آدمی تھے لیکن مقابلہ میں مارے گئے۔ اس کے بعد ابراہیم (نفس ذکیہ کے بھائی) نے علم بغاوت بلند کیا اور خلافت کا دعویٰ کیا۔ ابراہیم ایک بڑے عالم بھی تھے اس لئے ان کا علماء میں بھی کافی اثر تھا۔ امام صاحب نے اس انقلابی تحریک کی حمایت میں لوگوں کو آمادہ کیا اور خود بھی دامے درمے سخنے مدد کی۔ چنانچہ امام صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ اس وقت جو حالات ہیں ان کے پیش نظر ابراہیم کی رفاقت اور اعانت اس سے کہیں بہتر ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں جہاد کریں۔ لیکن ابراہیم نے بھی شکست کھائی اور شہید ہو گئے۔

ابراہیم سے فارغ ہو کر ابو جعفر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جو جنگ میں ابراہیم کے ساتھی تھے ان میں امام ابو حنیفہ بھی تھے چنانچہ انہیں طلب کیا۔ اگرچہ وہ امام صاحب کے قتل کے درپے تھا مگر رائے عامہ کے دباؤ" کے زیر اثر" ڈرتا تھا۔ چنانچہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت آپ کو قضا (ججی) کا عہدہ پیش کیا۔ امام صاحب نے جو منصور کی حکومت کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک ظالم حکومت سمجھتے تھے، اس عہدہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا۔ منصور نے غصّہ میں کہا کہ تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں، کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں بن سکتا۔ امام صاحب نے اپنی ناقابلیت کی دو وجہیں بیان کیں: ایک یہ کہ مجھے اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں اور دوسرے یہ کہ میں عربی النسل نہیں ہوں، اہل عرب کو میری قضا ناگوار ہو گی۔ لیکن منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا کہ تمہیں یہ عہدہ قبول کرنا ہو گا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھا کر کہا کہ قبول نہیں کروں گا۔ غرض اس عدول حکمی اور اپنے سیاسی خیالات کے سبب امام صاحب جیل میں ڈال دیئے گئے۔ یہ واقعہ ۱۴۶ھ کا ہے۔ چار سال بعد ۱۵۰ھ میں بحالت قید وفات پائی۔

امام ابو حنیفہ جیسے عالم کی موت سارے عالم کی موت تھی۔ ہزار ہا افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ روایت ہے کہ نمازیوں کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ چھ دفعہ امام صاحب کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ ابو رجاءؒ کا بیان ہے کہ میں نے اتنے زیادہ آدمیوں کو روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

امام صاحب کا رہتی دنیا تک قائم رہنے والا کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کام ہے جس نے ان کو حیات جاوید بخشی۔ اس زمانہ میں اسلامی فقہ کی صورت یہ تھی کہ نہ تو اس کے لئے کوئی باضابطہ جماعت تھی اور نہ معین اصول، البتہ امام صاحب کے معاصر فقیہہ مثلاً سفیان ثوری، امام اوزاعی، ربیعۃ الرائے وغیرہ انفرادی طور پر افتا کا کام کرتے تھے اور پیش آمدہ مسائل و معاملات میں فتوے دیا کرتے تھے۔ امام صاحب نے یہ محسوس کیا کہ اسلامی فقہ کے کام کو باقاعدہ اور باضابطہ طور پر انجام دینا چاہیئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیونکہ انفرادی کوششیں اس عظیم الشان کام کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بن سکتیں بلکہ اس امر کا اندیشہ تھا کہ لوگ صحیح راستہ سے بھٹک جائیں۔ چنانچہ تدوین فقہ کے عظیم الشان مقصد کے حصول کے لئے آپ نے ایک مجلس قائم کی جس کے صدر نشین وہ خود تھے اور اراکین میں آپ کے شاگردوں اور رفقا کا ایک وسیع حلقہ تھا۔ جامع المسانید میں لکھا ہے کہ مجلس میں ایک ایک مسئلہ پیش کیا جاتا۔ ارکان مجلس آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ امام صاحب بھی اس بحث میں حصہ لیتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ایک مسئلہ پر کئی کئی ہفتے بحث و تمحیص جاری رہتی تا آنکہ مسئلہ کا کوئی پہلو متعین ہو جاتا، اور اس کو یادداشت کی کتاب میں درج کر لیا جاتا۔ اس طرح شریعت اسلامی کی تدوین کا کام امام صاحب کی زیر نگرانی اپنی منزلیں طے کرتا رہا۔

خوارزمی نے امام صاحب کی مجلس کے مرتبہ مسائل کی تعداد ۸۳ ہزار بتائی ہے جس میں ۳۸ ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے اور ۴۵ ہزار مسائل معاملات سے تعلق رکھتے ہیں جن میں زندگی کے تقریباً ہر شعبہ حیات سے متعلق مسائل شامل ہیں۔

امام صاحب استنباط احکام میں ہر مسئلے کے متعلق پہلے کتاب اللہ سے احکام تلاش کرتے تھے۔ اگر کوئی حکم وہاں نہ ملتا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے جو ثقہ لوگوں سے مروی ہوں۔ اگر سنت نبوی سے بھی رہنمائی نہ ملتی تو پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال پر نظر ڈالتے اور اجماع صحابہ کی تلاش کرتے۔ اور اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کا اجماعی نقطۂ نظر سامنے آجاتا تو اس کا اتباع کرتے۔ اگر ان میں اختلاف ہوتا تو ان میں سے جسے چاہتے قبول کر لیتے اور جسے چاہتے چھوڑ دیتے لیکن اگر صحابہ اور غیر صحابہ میں اختلاف ہوتا تو ہمیشہ صحابہ کے قول کو اختیار کرتے۔ اور آخر میں جب قرآن و سنت یا اجماع کے احکام و اصول ان کی رہنمائی نہ کرتے تو قیاس کو کام میں لاتے۔ قیاس کو آپ نے اس قدر ترقی دی کہ وہ اسلامی قانون کا جزو تھا ماخذ بن گیا۔ قیاس کی ایک قسم استحسان ہے جس کو قیاس خفی بھی کہتے ہیں۔ اس اصول نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تدوین فقہ کے ضمن میں اس قدر شہرت پائی کہ امام ابوحنیفہ اصول

toobaa-elibrary.blogspot.com

استحسان کے بانی قرار پائے۔

اصول قیاس و استحسان کو نہایت درجہ وسعت پانے کا سبب یہ ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس کی علتوں سے غور و فکر کے ساتھ کام لینا شروع کیا اور پھر عمومی طور پر ان میں تطبیق کی کوشش فرمائی۔ اور یہ اصول مقرر کیا کہ جو نئے واقعات وجود میں آسکتے ہوں ان کو وجود سے قبل فرض کر کے ان کے احکام کا استخراج کر لیا جائے تاکہ بوقت ضرورت کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے، اور بغیر کسی تردّد کے مسئلہ کا جواب دیا جا سکے۔

تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ جب حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کوفہ میں قیام فرمایا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرمایا، ابو الخطاب! آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ جو اپنے اہل و عیال سے چند سال تک غائب رہا۔ اس کی زوجہ نے یہ خیال کیا کہ وہ فوت ہو چکا، اس بنا پر اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے بعد اوّل شوہر واپس آ گیا۔ اب اس کے مہر کا کیا حکم ہوگا؟ لیکن اس سوال سے قبل امام ابو حنیفہ اپنے اصحاب سے یہ فرما چکے تھے کہ اگر اس مسئلے کے جواب میں قتادہ کوئی حدیث بیان کریں گے تو جھوٹی ہو گی اور اگر اپنی رائے (اجتہاد) سے جواب دیں گے تو غلطی کر جائیں گے۔ چنانچہ حضرت قتادہ نے امام صاحب کے جواب میں فرمایا! تم پر افسوس ہے، کیا ایسا واقعہ پیش آ گیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں، قتادہ نے فرمایا: تو پھر آپ کسی ایسے واقعہ کے متعلق مجھ سے کیوں سوال کرتے ہیں جو ابھی تک وجود میں نہ آیا ہو۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ہم بلا نازل ہونے سے قبل ہی اس کے دُور کرنے کی تیاری کر لینا مناسب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ اس صورت میں اگر وہ آفت نازل ہو گئی تو اس کے آنے اور اس سے باہر نکل جانے کا راستہ ہم کو معلوم ہو گا۔

اس واقعہ سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

اوّل یہ کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی توجہ کا مرکز فقہ تقدیری کو قرار دے رکھا تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس کے یہ معنی تھے کہ ایک فقیہہ کو واقعات کے واقع ہونے سے قبل اس کے حکمی جواب کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور آفت نازل ہونے سے قبل اس کے دفعیہ کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔

دوم یہ کہ جن مسائل کو فرض کیا جائے وہ ممکن الوقوع ہوں، ایسی صورتیں نہ ہوں کہ ان کی بنیاد محض خیال و وہم پر ہو۔

امام ابو یوسفؒ و امام محمد الشیبانیؒ کا کارنامہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد فقہ حنفی کی تدوین جن فقہاء عراق نے کی ان میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳-۱۸۲ھ) اور امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲-۱۸۹ھ) امام ابوحنیفہ کے دو نامور ترین شاگردوں کا نام سرفہرست ہے جنہوں نے حنفی کی تدوین کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لائق و فائق شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف موضوعات پر متعدد کتب فقہ تدوین کیں لیکن وہ مدونات امام محمد کی تدوین فقہ کے درجہ اور قبولیت عام کو نہ پہنچیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور مجموعہ "کتاب الخراج" ہے، جس میں آپ نے حکومت کے مالیاتی اور محصولاتی معاملات و مسائل کو بڑے مفصل و مدلل طریقہ پر بیان فرمایا ہے۔ دوسری کتاب "اختلاف ابن ابی لیلیٰ" کے نام سے مشہور ہے اور تیسری کتاب "الرد علی سیر الاوزاعی" ہے۔ جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آراء اور ان کی توجیہہ موجہ کو بیان کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ میں کسی کتاب کی تصنیف کی جانب کبھی توجہ نہ دی، بلکہ آپ کے تلامذہ آپ کے اقوال کا املا کر لیا کرتے تھے۔

البتہ امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ کو حقیقی صورت میں مدون کیا ہے، اور امام محمد اس امر کے مستحق بھی تھے کہ فقہ حنفی کو مدون کریں کیونکہ آپ کو فقہ حنفی کی فروع پر زبردست عبور تھا۔ آپ کو مسائل کے فرض کرنے اور ان کے قیاسی حکم کو اخذ کرنے کی مہارت تامہ حاصل تھی۔ چنانچہ آپ کی یہی کاوش فقہ اسلامی کی تدوین کا ذریعہ قرار پائی۔ فقہ حنفی بالخصوص آپ کے اس احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ حنفی کے مسائل اسی تقدیری و فرضی طریقہ پر مدون فرمائے۔ آپ اولاً اصل مسئلہ (حقیقی) کو بیان فرماتے ہیں اس کے بعد اس کی متعدد صورتیں فرض کر کے ان کے حکم کا استخراج فرماتے ہیں۔ پھر اگر علماء و فقہائے عراق میں سے ان میں سے کسی صورت مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے تو اس کو ہر ایک کی رائے کے اظہار کے ساتھ بیان فرما دیتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی مدونہ کتب جن کی نسبت ان کی ذات کی جانب صحیح الثبوت اور قطعی ہے اور وہ ظاہر الروایت کے نام سے موسوم ہیں چھ ہیں۔ اول کا نام الاصل یا المبسوط ہے، دوم جامع الکبیر، سوم جامع الصغیر، چہارم السیر الکبیر، پنجم السیر الصغیر، ششم زیادات۔ حاکم نے اپنی کتاب الکافی میں ان کو جمع کیا ہے اور شمس الائمہ السرخسی نے ان کی شرح کی ہے۔ ان کے علاوہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہر کتاب کے دیگر شارحین بھی ہیں۔ ان مذکورہ کتب کے علاوہ آپ کی دیگر مدونات بھی ہیں۔ لیکن آپ کی جانب ان کی نسبت اول الذکر کتب کی مثل اتنی قطعی نہیں، مثلاً الکیسانیات، والہارونیات، والجرجانیات، والرقیات و زیادۃ الزیادات۔ ان کتب میں بیان کردہ مسائل کو غیر ظاہر الروایت کہا جاتا ہے۔

فقہ حنفی میں ماخوذ فی المذہب بالعموم وہی مسائل قرار پاتے ہیں جو ظاہر الروایت ہوں البتہ اگر دیگر کتب کے کسی مسئلے میں ان کی ترجیح منصوص ہو تو اس کو اختیار کر لیا جاتا ہے لیکن اس کی ضرورت بہت کم پیش آتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اور اصول مصالح مرسلہ

امام ابو حنیفہ کا مکتب فقہ عراق میں قائم تھا اور امام مالک (المتولد ۹۳ھ المتوفی ۱۷۹ھ) کا مکتب فقہ مدینہ منورہ میں قائم تھا۔ آپ کا جو طریقہ اور روش تھی اسی روش اور طریقہ کو آپ کے تلامذہ نے اپنایا۔

امام مالک بن انس اصبحی مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اکثر مورخین نے سنہ پیدائش ۹۳ھ لکھا ہے ان کا تعلق یمن کے مشہور اصبحی قبیلہ سے تھا اور آپ کا سلسلۂ نسب اصبحی یمنی سے ملتا ہے۔ آپ کے دادا ابو عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے، جو ربیعہ الرائے کے نام سے مشہور ہیں فقہ کی تعلیم حاصل کی اور بہت سے علمائے حدیث مثلاً نافع مولی ابن عمر، ابن شہاب زہری، ابوالزناد اور یحییٰ بن سعید انصاری سے علم حدیث حاصل کیا۔ غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ، طلب علم میں اخلاص، درایت حدیث اور فتاویٰ میں دقت نظری کے سبب صغر سنی ہی میں یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے عالم آپ کی قابلیت کے قائل ہو گئے۔ علم میں پختگی حاصل ہو جانے کے بعد مسند درس پر بیٹھے۔

اس زمانے میں مدینہ منورہ اسلامی تعلیمات کا گہوارہ اور خصوصاً علم حدیث کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ تشنگان علم دور دراز سے مدینہ آتے اور آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔ اور علم سے سیراب ہو کر اپنے اپنے ملک میں جا کر اشاعت دین کے کاموں میں لگ جاتے۔ امام مالک فن حدیث کے مسلمہ امام تھے۔ بڑے بڑے محدثین اور فقہائ کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔

امام مالک ایک حق گو اور نڈر فقیہہ تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت ان کو حق بات کہنے سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ چنانچہ حاکم مدینہ کے حکم سے تازیانہ کی سزا اور تشہیر کے واقعہ کو آپ کی ثابت قدمی اور قوت ایمانی کے ثبوت میں بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں (۱۳۲ھ - ۱۷۹ھ) میں محمد بن عبداللہ بن حسن النفس ذکیہ نے خلیفہ ابو جعفر منصور کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ابو جعفر نے اپنی بیعت جبراً لی تھی۔ اہل مدینہ ابو جعفر کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، پھر دوسرے کی بیعت نہ کر سکتے تھے۔ اس کی نسبت اہل مدینہ نے امام مالکؒ سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ منصور کی بیعت جبری تھی، جو حکم جبری طلاق کا ہے وہی حکم جبری بیعت کا ہے۔ جس طرح جبری طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح جبری بیعت کا بھی کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس فتوے کا ردعمل یہ ہوا کہ لوگوں کے لئے خلیفہ منصور کی بیعت سے روگردانی کا ایک فقہی جواز پیدا ہو گیا۔ اس سے حاکم مدینہ کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ مبادا اس سے خلیفہ منصور کی خلافت کو نقصان پہنچے۔ چنانچہ اس نے آپ کو کہلوایا کہ آپ ایسا فتویٰ نہ دیں کیونکہ اس فتوے سے خلیفہ منصور کی خلافت خطرے میں پڑ جائے گی۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی اور بیباکی نے اس پابندی کو گوارا نہ کیا۔ حاکم مدینہ نے آپ کو تازیانہ کی سزا دی اور تشہیر کے لئے اونٹ پر مدینہ کی گلیوں میں پھرایا۔ لیکن جب ابو جعفر منصور کو اس کی خبر ہوئی تو حاکم مدینہ بن سلیمان سے سخت ناراض ہوا اور اسے معزول کر دیا اور بغداد بلا کر کوڑے لگوائے اور اس کی تشہیر کرائی نیز امام مالک سے معافی مانگی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیا۔

امام مالکؒ نے ساری عمر مدینہ منورہ ہی میں درس و تدریس میں مشغول رہ کر گزار دی اور ۸۴ سال کی عمر میں ۱۱ ربیع الاوّل ۱۷۹ھ بمطابق 795ء اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

مالکی مذہب اگرچہ مدینہ میں پیدا ہوا اور سارے حجاز میں پھیلا، مگر بعد میں صرف مغرب اقصیٰ اور اندلس میں محدود ہو کر رہ گیا۔ اندلس میں فقہ مالکی کی ترویج میں ہشام بن عبدالرحمٰن کا بڑا حصہ ہے۔ امام مالک کو اپنے علم اور تقویٰ کے سبب امام مدینہ، امام دارالتنزیل اور امام دارالہجرت بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ایک نہایت راسخ العقیدہ اور قوی الایمان عالم تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو آپ کے شاگرد تھے فرمایا کہ "تابعین کے بعد امام مالک بندوں کے لئے اللہ کی سب سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بڑی حجت ہیں۔ جب کوئی حدیث مالک کی روایت سے تم تک پہنچے تو اسے مضبوطی سے پکڑو، کیونکہ وہ علم حدیث کا ایک درخشاں ستارہ ہیں"

امام مالک اسلامی قانون کے ماخذوں میں قرآن پاک کے بعد سنت نبویؐ کو بطور قطعی دلیل تسلیم کرتے ہیں۔ امام مالک نے علم حدیث میں اپنی کتاب "موطا" تصنیف کی اور اس میں فقہ کی طرز پر ابواب کی ترتیب قائم کی اور ہر باب کے اندر اپنا مسلک ساتھ ساتھ بیان کیا موطا کے بارے میں امام شافعی کا قول ہے کہ "کتاب اللہ کے بعد امام مالک کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب روئے زمین پر موجود نہیں ہے"۔ اس کتاب کو موطا اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب اس کی تدوین مکمل ہوگئی تو آپ نے علمائے مدینہ کے سامنے اس کو پیش کیا، سب نے اس سے اتفاق کیا۔ چنانچہ آپ نے اس کا نام "موطا" رکھ دیا۔ عام خیال یہ ہے کہ موطا حدیث کی کتاب یا ان حدیثوں کا مجموعہ ہے جس کو امام مالک نے اپنے اصول درایت حدیث پر پرکھ کر مرتب کیا حالانکہ موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اہل حجاز کی قوی احادیث کو جمع کیا بلکہ اس میں صحابہ کے اقوال اور تابعین کی آراء کو بھی شامل کیا اور ساتھ ہی اپنا مسلک بھی واضح کیا۔ اگرچہ امام مالک سے پہلے عبدالعزیز بن الماجشون نے موطا تالیف کی لیکن اس میں وہ امور جمع کئے گئے تھے جن پر اہل مدینہ کا اجماع تھا۔ اس میں حدیث سے ابتداء نہیں کی گئی تھی۔ امام مالک پہلے فقیہہ ہیں جنہوں نے حدیث کو رہنما بنا کر موطا مرتب کی۔ موطا میں وہ ایک موضوع کو لیتے ہیں، اس سے متعلق احادیث بیان کرتے ہیں پھر اہل مدینہ کے تعامل کو لیتے ہیں اور پھر تابعین اور اہل فقہ کی رائے لکھتے ہیں۔ اور اس کے بعد مدینہ میں جو رائے معمول بہا ہو وہ لکھتے ہیں۔ اگر کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو تو قرآن، حدیث اور فتووں کی روشنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتے ہیں اور اس میں اپنی رائے مع مسلک قلمبند کرتے ہیں اور اس طرح مدنی فقہ کا صحیح نقطۂ نظر پیش کر دیتے ہیں۔

موطا کے اس انداز پر تالیف کرنے کے منجملہ دیگر اسباب کے بڑا سبب یہ تھا کہ اس زمانے میں فکر اسلامی میں فلسفہ کی آمیزش ہو رہی تھی۔ علم کلام کی بحثیں عام ہو چکی تھیں۔ بلاد اسلامیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں انکار لوز کا دور شروع ہو چکا تھا۔ موضوعی حدیثیں کثرت سے رواج پا گئی تھیں۔ عراقی فقہائے تابعین کی آراء کو قرآن و حدیث و اجماع کے ساتھ فقہ میں کوئی خاص درجہ دینے سے انکاری تھے۔ امام مالک کا موطا کو تالیف کرنے کا بنیادی مقصد مدنی فقہ کو جمع کرنا تھا۔ چنانچہ امام مالک نے موطا میں نص قرآن اور حدیث صحیحہ کے ساتھ تابعین کی آراء کے اتباع میں اہل مدینہ کے تعامل (سنت ماثورہ) کو اسلامی فقہ میں واجب التعمیل قرار دیا ہے اور اس ضمن میں عراقی (حنفی) مکتب فکر سے اختلاف کیا ہے۔

امام مالک استنباط احکام میں قرآن کریم کے بعد حدیث پر اعتماد کرتے تھے اور حدیث کے صحیح ہونے میں صحابہ کے اقوال اور اہل مدینہ کے تعامل کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ امام مالک کے متعلق مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ "میں ایک انسان ہوں اور مجھ سے غلطی ہو سکتی ہے میری ہر بات کو کتاب اللہ اور سنت نبوی کی کسوٹی پر پرکھ لیا کرو۔" استنباط احکام کا یہ اصول فقہ مالکی کی ایک اہم خصوصیت بن گیا۔ چنانچہ دیگر فقہی مذاہب کے مقابلے میں مالکی فقہ میں سنت کی اہمیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

امام مالک حدیث کی روایت کرنے میں بڑی حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ آپ نے صرف معتبر اور ثقہ محدثین ہی سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ "میں نے مدینہ میں بہت سے نیک لوگوں کو دیکھا لیکن ان سے حدیث نہیں لی، کیونکہ وہ جو کہتے تھے اس کو سمجھتے نہ تھے، حالانکہ فن حدیث میں زہد و اتقاء کے ساتھ تفقہ بھی ضروری ہے۔"

امام مالک عام طور پر قاضیوں کے فیصلوں پر تنقید کرنے سے احتراز کرتے تھے، الا یہ کہ ان سے مشورہ لیا جاتا۔ ان کا خیال تھا کہ قاضیوں کے فیصلوں پر تنقید کرنے سے لوگوں میں عدول حکمی اور نافرمانی کا جذبہ پرورش پاتا ہے اور عدالتوں کی ہیبت اور شان میں کمی آجاتی ہے۔ اور احکام سے متعلق حق و باطل کے طعنے دینے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ تھا کہ قاضی کا وہ حکم جو غلط، ناجائز اور حدود شرعی سے متجاوز ہو سزاوار تنقید ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے خیال میں ایسا نہ کرنا حق کے چھپانے کے مترادف ہے ۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کے طریق کار کے برخلاف امام مالک غیر وقوع شدہ مسائل و معاملات میں فتویٰ دینے سے احتراز کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے "جو ہوتا ہے وہ پوچھو، جو نہیں ہوتا اسے چھوڑ دو۔"

امام مالک نے اگرچہ اپنے اصول جنہیں وہ مسائل کے استنباط و استخراج میں رہنما بناتے ہیں کسی مرتب شکل میں پیش نہیں کئے۔ لیکن موطا کے بغور مطالعہ سے وہ اصول مجملاً معلوم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ امام مالک بھی دیگر آئمہ کی طرح قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کو اسلامی قانون کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے قیاس کے استعمال کے باب میں "مصالح مرسلہ" پر بہت زیادہ زور دیا ہے مصالح مرسلہ (غیر معینہ) وہ اصول ہیں جن کی تائید یا تردید میں کوئی نص شرعی موجود نہ ہو لیکن ان اصولوں کے ذریعہ ان مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو جن کے لئے شریعت اسلامی کا وجود عمل میں آیا ہے ۔ امام غزالی کے نظریہ کے مطابق مصالح مرسلہ وہ اصول ہیں جن کی بنیاد عقل کے مطابق مصالح شرعیہ پر ہو اور ان کے ثبوت کے لئے کوئی متفقہ اصول نہ ہو لیکن ان کے خیال میں مصالح مرسلہ کو صرف اسی وقت شرعی حجت کا درجہ دیا جا سکتا ہے جب کہ وہ ضروری، قطعی اور کلی ہوں (یہاں "ضروری" کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا تعلق مذہب، جان، مال، نسل اور عقل کی ضروری بنیادوں سے ہو جن کے گرد شرعی احکام گھومتے ہیں۔) خوارزمی کے خیال میں مصالح مرسلہ کا مقصد معاشرتی مفاسد کو دور کر کے شرعی مقاصد کی حفاظت کرنا ہے۔

جدید عہد کی قانونی اصطلاح میں "مصالح مرسلہ" کو کسی حد تک "مصلحت عامہ" کا تقاضا کہا جا سکتا ہے ۔ میرے خیال میں مرسلہ اپنے جوہر میں مصلحت عامہ کے موجودہ تصور سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے ۔ صبحی محمصانی نے اپنی کتاب "فلسفہ شریعت اسلام" میں مصالح مرسلہ کے اصول پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے جب شرع ان مصالح کا جواز یا عدم جواز نص قرآنی یا حدیث یا اجماع یا قیاس کسی ذریعہ سے واضح کرے تو اس کی تعمیل ضروری ہے لیکن

toobaa-elibrary.blogspot.com

جب شرع مصالح کے بارے میں خاموش رہے یعنی جب دلائل شرعیہ کسی امر کی مصلحت کو واضح نہ کریں تو ہم اس میں مصالح عامہ کا استصواب کر سکتے ہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی حکم کو ایسے معنوی ضابطے کے ساتھ منسلک کر دیا جائے جو مصلحت عامہ اور منشائے شریعت دونوں کے موافق ہو یا بالفاظ دیگر رفاہ عامہ اور منشائے شریعت دونوں کا لحاظ کیا جائے۔

مصالح مرسلہ کو ایک شرعی دلیل کی حیثیت کے طور پر تسلیم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مصالح مقاصد شرعیہ کے موافق ہوں لیکن امام مالک اس اصول سے اتفاق کرتے نظر آتے ہیں کہ "منفعت" قدر اعلیٰ ہے اور قدر اعلیٰ کا دفع (دور) کرنا نقصان دہ ہے۔ ان کی رائے میں مصلحت قیاس کرنے کا شرعی ضابطہ ہے اور مصالح مرسلہ سے شرعی احکام کا استنباط جائز ہے اور اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ اصول شرعی کے موافق ہی ہوں یا یہ کہ ان کا ضروری قطعی اور کلی ہونا بطور ایک شرط لازم کے تسلیم کیا جائے۔ امام مالک کے خیال میں مصالح مرسلہ کے اصول پر عام خرابیوں اور نقصانات کے ازالے کے لئے بھی عمل کیا جا سکتا ہے مفقود الخبر شوہر کے انتظار اور دوسری شادی کے سلسلے میں امام مالک کا مشہور فتویٰ کہ بیوی چار سال تک انتظار کرے اور اگر اس دوران میں شوہر کی حیات سے متعلق اسے کوئی خبر نہ ملے تو بعد عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے، صریحاً بیوی کی بھلائی اور معاشرے میں فساد کو روکنے کی مصلحت عامہ امام مالک کے پیش نظر ہے۔

مصلحت عامہ کو احکام کا مدار قرار دینے کے سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی نص قرآن یا سنت نبویؐ سے وارد ہوئی ہے تو پھر مصلحت عامہ کو اس حکم کا مدار قرار نہیں دیا جا سکتا، لیکن جس کسی معاملہ میں کوئی نص قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہے وہاں مصلحت کی بنیاد پر حکم لگائے جانے میں اختلاف ہے۔ فقہ ظاہری کے امام داؤد بن علی الظاہری اور امام ابو محمد ابن حزم اندلسی تعلیل نصوص کے قائل نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف آئمہ اہل سنت اس کے قائل ہیں۔ البتہ اس کے اطلاق میں کچھ اختلاف ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غیر منصوص معاملہ میں اگر کسی منصوص معاملہ کی مصلحت پائی جائے تو اس پہ وہی حکم لگا دیا جائے گا جو منصوص معاملہ کا ہوگا۔ نیز اس معاملہ میں کچھ دوسری شرعی مصلحتیں بھی قابل اعتماد ہو سکتی ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک غیر منصوص معاملہ میں اسی وقت حکم لگایا جانا صحیح ہوگا جبکہ کسی منصوص و مخصوص معاملہ کی مصلحت معین طریقہ پر اس غیر منصوص معاملہ میں موجود ہو۔ امام مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک غیر منصوص معاملات میں ان تمام مصالح کے پیش نظر جن کے متعلق نصوص شرعیہ وارد ہوئی ہیں کوئی مصلحت بھی ان غیر منصوص معاملات کے لئے مصلحت قرار دی جا سکتی ہو تو وہ ان کے حکم کی علت قرار دی جا سکتی ہے، خواہ وہ غیر منصوص معاملہ معین منصوص معاملہ کے مشابہ ہو یا نہ ہو۔ بلکہ ان حضرات کے نزدیک تمام وہ مصلحتیں جن کو شریعت نے احکام کی علت قرار دیا ہے غیر منصوص معاملات کے لئے ان کے احکام کی علت قرار دی جا سکتی ہیں۔ شیعہ زیدیہ نے امام مالک کے اصول سے اتفاق کرتے اتنا مزید کہا ہے کہ آخر درجہ میں مصلحت کے متعلق عقل کے حکم کو حکم بنایا جائے گا۔ شیعہ امامیہ نے بھی ایسا ہی کچھ کہا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ عقل کا حکم کسی وقت بھی قرآن و سنت کی مصلحتوں کے مخالف نہیں ہوا کرتا، بشرطیکہ عقل سلیم ہو۔

مندرجہ بالا مختلف نقطہ ہائے نظر کی روشنی میں بآسانی اس نتیجہ تک پہنچا جا سکتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک مصلحت کے اصول کا اطلاق بہ نسبت حنفیہ کے زیادہ وسیع ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک اس کا اطلاق حنفیہ سے بھی کم وسعت لئے ہوئے ہے۔ دراصل محض مصلحت کو احکام کی علت قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ حصول مصلحت انسانوں کے عمل کرنے کی غایت ہو سکتی ہے۔

امام مالک کے متعلق بعض فقہی مکاتب میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ امام حدیث ہیں، اہل الرائے نہیں۔ حالانکہ امام مالک کے اساتذہ میں وہ بھی ہیں جن پر حدیث غالب ہے، اور وہ بھی ہیں جن پر فقہ اور رائے غالب ہے۔ دراصل امام مالک اور دوسرے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مکاتب فکر (بالخصوص احناف) کا استنباط احکام میں کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے۔ قیاس اور رائے سے اجتہاد کرنے کے اصولوں کو تمام ائمہ تسلیم کرتے ہیں۔ فرق اور اختلاف رائے کی مقدار، حجیت اور قوت میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مالک نے مصالح مرسلہ کے اصول کو اس قدر وسعت دی ہے کہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی قانون کے چوتھے ماخذ قیاس کو "استحسان" سے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مصالح مرسلہ" سے ترقی دے کر شرعی قانون سازی میں اجتہاد کی راہیں کھول دی ہیں۔ چنانچہ اسلامی قانون میں جہاں تک معاملات (یہ اصطلاح عبادات کے مقابل استعمال کی گئی ہے) کا تعلق ہے۔ اس میں اجتہاد کا دائرہ عمل بڑا وسیع ہے۔ اور ایسے امور میں جن کے بارے میں قرآن پاک میں نص صریح یا حدیث صحیح موجود نہ ہو اور ساتھ ہی ایسے امر کا جواز اجماع امت سے بھی ثابت نہ ہو تو قیاس سے کام لے کر "استحسان" اور "مصالح مرسلہ" کے اصولوں پر عمل کیا جا سکتا ہے اور اس امر سے متعلق شرعی حکم لگایا جا سکتا ہے شرع میں اس حکم کی حیثیت بطور ایک حجت کے ہو گی۔

امام شافعی اور اصول حدیث وفقہ

امام مالک کے بعد امام محمد بن ادریس الشافعی (المتولد ۱۵۰ھ والمتوفی ۲۰۴ھ) کا مکتب فقہ اپنا ایک مخصوص انداز لئے قائم ہوا۔ آپ کے تلامذہ نے اس کو اختیار کیا۔ آپ کے تلامذہ متعدد مقام پر قیام پذیر تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ مدینہ منورہ میں اور بعض حصہ عراق میں اور آخری حصہ مصر میں گزارا ہر جگہ کے لوگوں نے آپ سے تلمذ کا شرف حاصل کیا چنانچہ مکہ میں آپ کے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ بغداد میں تشریف لانے کے بعد اس مقام کے تلامذہ نے آپ کے علوم وافکار کی اشاعت کا کام انجام دیا۔ پھر مصر میں جو آپ کی زندگی کا آخری مسکن تھا۔ آپ کی تمام تر فقہ اپنی مجموعی صورت میں ظہور پذیر ہو کر اشاعت پذیر ہوئی۔ مدینہ منورہ میں جتنی مدت آپ کا قیام رہا۔ وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حصول حدیث کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سلسلہ میں تھا۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ، لقب ناصر الحدیث ہے۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت میں رسول اکرم سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد ادریس بن عباس مدینہ منورہ کے قریب ایک قصبہ "قبالہ" کے رہنے والے تھے۔ پھر مدینہ منورہ چلے آئے مگر بعد میں معاشی وجوہ کے سبب ملک شام چلے گئے اور عسقلان میں سکونت اختیار کی۔ امام شافعی کے جد امجد شافع اور ان کے والد صائب دونوں صحابی تھے۔ (الاصابہ فی معرفتہ الصحابہ، مطبوعہ مصر، جلد ۱، صفحہ ۱۱)

امام شافعی بمقام غزہ (ملک شام) ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ اسی دن پیدا ہوئے جس دن امام ابو حنیفہ نے وفات پائی (مناقب الامام الشافعی، رازی، صفحہ ۸۰)

آپ کے والد آپ کی پیدائش سے کچھ روز قبل انتقال فرما چکے تھے۔ والدہ نے بہت عسرت کے ساتھ آپ کی پرورش کی۔ آپ کو پڑھنے لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ جب کسی عالم سے کوئی حدیث یا مسئلہ سنتے تو فوراً یاد کر لیتے اور ہڈیوں پر لکھ لیتے اور ان ہڈیوں کو مٹکے میں احتیاط سے محفوظ رکھتے۔

توالی التاسیس مصنفہ ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ اور دس سال کی عمر میں موطا امام مالک کو حفظ کر لیا۔ جب آپ دس سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے مکہ معظمہ آپ کی چچا کے پاس بھیج دیا۔ وہاں آپ نے مسلم بن خالد زنجی سے، جو مکہ کے مفتی تھے اور فقہ و حدیث کے امام سمجھے جاتے تھے۔ فقہ و حدیث حاصل کی۔

علم حدیث میں اس زمانے میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی بڑی شہرت تھی۔ چنانچہ مفتی مکہ مسلم بن خالد زنجی کا ایک سفارشی خط لے کر امام مالک کی خدمت میں روانہ ہوئے، مدینہ پہنچ کر امام کے مکان پر پہنچے۔ دستک دی۔ اندر سے خادمہ آئی۔ نام پوچھ کر گئی۔ پھر امام مالک تشریف

toobaa-elibrary.blogspot.com

لائے اور بڑے اخلاق و نرمی سے گفتگو فرمائی۔ آپ نے مسلم بن خالد کا خط پیش کیا۔ امام مالک نے خط پڑھ کر ایک طرف پھینک دیا اور فرمایا "سبحان اللہ! کیا حضور سرور کائنات کا علم اب اس قابل رہ گیا ہے۔ کہ وہ وسائل و ذرائع (سفارش) سے حاصل کیا جائے۔" امام شافعی نے اپنی بے سروسامانی اور ذوق علمی کا ذکر کیا۔ امام مالک نے امام شافعی کو اپنے حلقۂ درس میں شامل کر لیا۔ امام شافعی ایک عرصے تک امام مالک کے حلقۂ درس میں شریک رہے اور فقہ و حدیث میں کمال حاصل کیا۔

۱۷۹ ہجری میں امام مالک کا انتقال ہو گیا۔ اب امام شافعی کے لئے مدینہ میں مزید قیام چنداں سود مند نہ تھا۔ مدینہ سے باہر جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ اتفاقاً اسی زمانے میں والی یمن حجاز آیا۔ اس کو امام شافعی کی فراست و ذکاوت اور علم و فضل کا علم ہوا تو آپ کو اپنے ساتھ یمن لے گیا۔ آپ والی یمن کی طرف سے امور سلطنت انجام دینے لگے اور جلد ہی اپنی دانائی اور عدل گستری کے سبب خاص و عام میں مشہور ہو گئے۔ لیکن ایک گروہ ایسا بھی تھا جو آپ کی فضیلت و شہرت کے سبب آپ سے پرخاش رکھتا تھا۔ یہ گروہ تملق (خوشامد) پسندوں، درباری داروں اور خوشامدیوں کا تھا۔ جن کی گرم بازاری امام شافعی کی غیر جانبداری کے سبب سرد پڑنے لگی تھی۔ انہوں نے والی یمن کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ سوء اتفاق سے اس زمانہ میں عباسیوں کے خلاف علویوں کی تحریک زوروں پر تھی۔ والی یمن نے امام صاحب پر الزام لگایا کہ وہ علویوں کی حمایت کرتے ہیں۔ اس نے خلیفہ ہارون الرشید کو آپ کی سرگرمیوں کی اطلاع دی تو ہارون الرشید نے آپ کو بغداد طلب کر لیا۔ امام شافعی بغداد پہنچے خلیفہ نے قتل کا ارادہ کیا مگر امام محمد بن الحسن الشیبانی (امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد) کی سفارش پر چھوڑ دیئے گئے۔ ہارون الرشید کی تلوار سے نجات پا کر وہ امام محمد کے سایہ عاطفت میں آ گئے۔ یہ واقعہ ۱۸۴ ہجری کا ہے۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی اس وقت عراقی فقہی مکتب کے سب سے بڑے حامل اور ناشر تھے۔ امام شافعی نے بغداد میں امام محمد سے اکتساب فیض کیا۔ اور فقہ مدینہ و عراق کے تقابلی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطالعہ سے ایک خاص نقطۂ نظر پیدا ہوا۔ اور یہیں سے شافعی فقہ کی بنیاد پڑی۔

امام شافعی کچھ عرصہ بعد بغداد سے مکہ آئے اور حرم مکہ میں بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۸ھ میں آپ پھر بغداد تشریف لائے۔ مگر چند ماہ کے مختصر قیام کے بعد مصر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کی فقہ کو بڑا فروغ ہوا۔ آخر عمر تک آپ وہیں رہے اور ۳۰ رجب ۲۰۴ ہجری کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔ موت العالم موت العالم۔

ربیع ابن سلیمان کہتے ہیں کہ "میں نے حضرت امام شافعی کے انتقال سے قبل ایک خواب دیکھا کہ حضرت آدم کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ ان کے جنازے کو باہر لے جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ یہ خواب میں نے بعض اہل علم سے بیان کیا۔ انہوں نے تعبیر میں کہا کہ اس وقت روئے زمین پر جو سب سے بڑا عالم ہے اس کا انتقال ہو گا۔ کیوں کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم کو تمام امور کا علم عطا فرمایا تھا۔ چند دن گزرے تھے کہ امام شافعی کا انتقال ہو گیا (مناقب الشافعی، رازی، صفحہ ۸۰)

شاہ ولی اللہ دھلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں امام شافعی کے متعلق لکھا ہے کہ

"امام شافعی دونوں مذہبوں (حنفی اور مالکی) کے ظہور کی ابتداء میں پلے بڑھے جو کہ دونوں مذہبوں کے اصول و فروع کی ترتیب کا زمانہ تھا۔ اور سلف کے طریقۂ کار پر نظر دوڑائی۔ ان میں سے کچھ علماء کو آزادی رائے کا حامل پایا اور کچھ علماء کو نہایت پابند۔ لہذا امام شافعی نے انتہائی آزادی پر کچھ پابندی اختیار کی اور انتہائی پابندی میں کچھ آزادی، جو آج فقہ شافعی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔"

مصر کے مشہور عالم شیخ ابو زہرہ نے اپنی کتاب امام الشافعی میں لکھا ہے:

"امام شافعی وہ تنہا شخص ہیں۔ جن کی فقہ پورے طور پر اسلامی فقہ کی آئینہ گری کرتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ وہی ایک ایسے فقیہہ اجل ہیں۔ جنہوں نے رائے کو ضبط کیا۔ اور موازین قیاس وضع کئے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ضبط سنت کی سعی کی جنہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے ضبط سنت کے سلسلے میں سانچے اور پیمانے وضع کئے جنہوں نے قیاس کے اصول کو قائم کیا جنہوں نے کتاب وسنت کے طریقوں کو واضح کیا۔ ناسخ و منسوخ پر روشنی ڈالی"

بعض راویوں کا بیان ہے کہ امام شافعی کی سب سے پہلی تصنیف بغدادی کے نام سے موسوم ہے (توالی التاسیس، ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ مصر، صفحہ ۷۶) جس میں انہوں نے اہل عراق کا رد کرتے ہوئے فقہ الحدیث کا دفاع کیا تھا۔

جلال الدین السیوطی کا قول ہے کہ "مصر میں امام شافعی نے بہت سی نئی کتابیں لکھیں مثلاً الام، الامالی الکبریٰ، الاملاء الصغیر وغیرہ"

اصول فقہ وحدیث میں امام شافعی کی مشہور کتاب "الرسالہ فی اصول الفقہ والحدیث" ہے امام شافعی کی یہ تصنیف تاریخی اعتبار سے اصول فقہ و حدیث میں پہلی مدون اور مرتب کتاب ہے، اگرچہ اس سے قبل اصول فقہ پر امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد الشیبانی، واصل بن عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصنیفات کا ذکر ملتا ہے۔ مگر ان کا نام ونشان دنیا میں موجود نہیں، اس لئے بجا طور پر امام شافعی کو اس حیثیت سے ان فن کا پیش رو کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس کو سب سے پہلے مدون و مرتب شکل میں پیش کیا۔

امام فخرالدین رازی نے اپنی کتاب "مناقب الامام الشافعی" میں لکھا ہے کہ امام شافعی کی حیثیت اصول فقہ میں ایسی ہے جیسی منطق میں ارسطو کی، اور عروض میں خلیل بن احمد کی۔ امام شافعی اس اعتبار سے ائمہ ثلاثہ سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ امام شافعی کی اس کتاب کی اہمیت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ امام شافعی نے اس کتاب کے ذریعہ ایک مخصوص طرز فکر کی بنیاد رکھی، جس نے آنے والے زمانہ میں فقہ اسلام کے ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اسلامی فقہ کے ارتقاء میں امام شافعی کی حیثیت محض ایک شریک کار کی نہیں بلکہ ایک ایسے ناظر کی ہے۔ جو تنقیدی زاویہ نگاہ کے ساتھ اپنے اردگرد کی چیزوں کو دیکھ رہا ہے اور اس کی نتیجہ میں شکست و ریخت اور تعمیر و تشکیل کے عمل پیہم میں مصروف ہے۔ انہوں نے مکے، مدینے

toobaa-elibrary.blogspot.com

عراق اور شام کے فقہی مکاتیب کا عمیق اور تنقیدی مطالعہ کیا۔ اور بالآخر اپنا ایک منفرد فقہی مذہب قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی وجہ سے فقہ شافعی میں علاقائی تصورات کا پرتو نہیں ہے۔

امام شافعی دیگر ائمہ کی طرح قرآن و سنت کو اسلامی قانون کا مآخذ قرار دیتے ہیں۔ ان کے فقہی نظریہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت شارع ایک محور کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قانونی فیصلوں کو واضح طور پر الہامی کہتے ہیں۔ درحقیقت احادیث رسول کو منشا ربانی کہہ کر قرآن پاک کے تکملہ کی حیثیت سے پیش کرنا امام شافعی کا زبردست کارنامہ ہے، جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ اگر صحت روایت سے انکار محال ہو تو متن حدیث کو معروضی تنقید کے ذریعہ رد نہیں کیا جا سکتا۔

امام شافعی کا یہ نظریہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی سنت کو حدیث ہی کے ذریعہ صحیح طور پر متعین کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اگرچہ سنت رسول اسلامی قانون کا دوسرا مآخذ ہے لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو سنت رسول کو قرآن کی تفسیر و بیان ہونے اور اس کے الہامی ہونے کے سبب "تشریعی اعتبار" سے قرآن کے برابر درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ نسخ کے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن نہ سنت کو منسوخ کر سکتا ہے اور نہ سنت قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔ بلکہ قرآن صرف قرآن سے اور سنت صرف سنت سے منسوخ ہو سکتی ہے

اسلامی قانون کا تیسرا مآخذ "اجماع" ہے۔ اجماع کے بارے میں امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ کا اجماع تنفیذ کی قوت رکھتا ہے۔ نہ کہ کسی خطے یا علاقے کے علماء کا اجماع۔

اسلامی قانون کا چوتھا اور آخری مآخذ "قیاس" ہے۔ جو دراصل اجتہاد کی ایک خاص شکل ہے کہ قرآن و سنت کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں پیش آمدہ مسئلہ میں استنباط کیا جائے۔ بالفاظ دیگر اجتہاد کا طریقہ اور قانونی استدلال احکام وحی کے تابع ہے۔ لیکن ساتھ ہی امام شافعی نے قیاس کے اصولوں کے ذریعہ الہامی احکام اور انسانی فکر کے درمیان رشتہ قائم کر کے ایک مربوط قانونی نظام پیش کرنے کی جو سعی کی ہے۔ وہ تاریخ فقہ میں رہتی دنیا تک

toobaa-elibrary.blogspot.com

یادگار رہے گی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور آثار صحابہؓ

امام شافعی کے بعد امام احمد بن حنبل کا نام آتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی سے فقہ حاصل کی لیکن بعض مسائل میں آپ سے اختلاف کیا۔ اور درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ اور حنبلی مذہب کے موسس قرار پائے۔ امام احمد بن حنبل بنیادی طور پر محدث تھے۔ آپ کا مجموعہ احادیث "المسند" علم حدیث میں آپ کی فضیلت شان پر واضح دلیل ہے بعض اصحاب آپ کو اصلاً فقیہہ شمار نہیں کرتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی فقہ پر حدیث کا رنگ غالب ہے۔ آپ مسائل تقدیری سے حد درجہ مجتنب تھے۔ آپ کے تلامذہ نے آپ کے مذہب کی ترویج واشاعت میں خاصا کام کیا۔ آج کل بالخصوص سعودی عرب میں آپ کا مسلک شائع ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کے بغدادی تلامذہ میں سے تھے امام احمد کے تلامذہ کی ایک جماعت بغداد ہی کی سکونت رکھنے والی تھی۔ اور ایک جماعت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو دوسرے مقامات سے آپ کی شہرت سے متاثر ہو کر بغداد چلی آئی تھی۔

طبقات الحنابلہ میں ابن ابی یعلی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا امام احمد بن حنبل کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے کہ "امام احمد بن حنبل حدیث، فقہ، لغت، قرآن، زہد و پرہیزگاری اور سنت کے امام تھے"۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے امام احمد بن حنبل کی جلالت شان اور بزرگی و مرتبہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں وفات پائی، بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد ماں کی آغوش عاطفت سے بھی محروم ہو گئے۔ امام صاحب کی تربیت بغداد ہی میں ہوئی۔ چھوٹی سی عمر میں قرآن پاک

toobaa-elibrary.blogspot.com

حفظ کیا۔ اس کے بعد علم لغت کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے بعدازاں علوم دین کی طرف توجہ کی اور تفسیر، حدیث اور فقہ میں کمال حاصل کیا۔ ۱۸۶ھ تک بغداد ہی میں حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں طلب حدیث کے لئے بصرہ، حجاز، یمن اور دمشق کے سفر گئے اور طلب حدیث کی راہ میں ہر مشقت اور تکلیف کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ امام صاحب نے جس علم کی تحصیل میں اہتمام کیا اور اپنی عمر عزیز صرف کی۔ وہ تھا احادیث رسول اور آثار صحابہ کا علم۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی فقہ میں حدیث رسول اور آثار صحابہ کا رنگ غالب ہے اسی وجہ سے ان کی فقہ کو "فقہ اثری" کہا جاتا ہے لیکن روایت حدیث و آثار صحابہ سے غیر معمولی شغف رکھنے کے باوجود امام احمد بن حنبل نے علم فقہ میں وہ مقام حاصل کیا کہ چار سنی مکاتیب فقہ میں سے فقہ حنبلی کے بانی اور امام کہلائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمد نہ صرف محدث تھے۔ نہ صرف فقیہہ بلکہ بیک وقت فقیہہ بھی تھے اور محدث بھی امام ابوحنیفہ کا قول ہے:

"جو حدیث سیکھتا ہے اور فقہ نہیں جانتا اس کی مثال اس دواساز کی ہے۔ جو دوائیں تو جمع کرتا رہتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ کس مرض کے کام آئے گی یہاں تک کہ طبیب آتا ہے اور وہ بتاتا ہے۔ اسی طرح طالب حدیث حدیثیں تو یاد کر لیتا ہے۔ لیکن ان کی ماہیت اور حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے یہاں تک کہ فقیہہ آتا ہے اور صحیح بات بتاتا ہے۔"

فی الحقیقت امام احمد فقہ و حدیث کے جامع تھے۔ وہ امام حدیث بھی تھے۔ اور امام فقہ بھی۔ جیسے حضرت امام مالک کہ وہ جتنے بڑے محدث تھے اتنے ہی بڑے فقیہہ بھی تھے۔ البتہ امام احمد قیاس و اجتہاد سے بہت کم کام لیتے تھے۔

امام احمد باقاعدہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر مسند درس و افتاء پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ اور تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے لئے دور و نزدیک سے آتے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ آپ کے حلقہ درس میں شریک ہوتے والوں کی تعداد پانچ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہزار نفوس کے قریب تھی۔

امام احمد بن حنبل کے زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ "خلق قرآن" کا تھا۔ کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے۔ خود خلیفہ وقت مامون الرشید اس کا قائل تھا۔ معتزلہ کا اس کے دربار میں بڑا اثر تھا۔ امام احمد دربار میں بلائے گئے۔ سوال و جواب ہوئے۔ امام احمد نے مامون کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور نہ انہوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس جرم کی پاداشں میں وہ نشانہ جور و اذیت بنائے گئے۔ امام صاحب کی ساری مصیبت کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ مامون الرشید کی رائے کی تائید میں امام صاحب بھی خلق قرآن کا مسلک اختیار کر لیں لیکن آپ اپنے مؤقف پر جمے رہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور بس۔

ابو حفص عمر بن صالح الطرطوس سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا۔

"میں ایک مرتبہ احمد بن حنبل کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا کہ گداز قلب کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ یہ سن کر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا۔ پھر تھوڑی دیر تک سر جھکائے رکھا۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا : گداز قلب صرف اکل حلال سے پیدا ہو سکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کا خیال تھا کہ حلال خالص پر اکتفا کرنا جو ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک و صاف ہو انسانیت کا سب سے بڑا مرتبہ ہے اور اس پر صرف وہی لوگ فائز ہو سکتے ہیں جو زمانہ کی سختیاں برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبل اپنے مزاج اور سرشت کے اعتبار سے ہر قسم کے جدل و پیکار کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ سختی کے ساتھ اپنی اس رائے پر زندگی بھر قائم رہے کہ جس نے دینی علوم میں جدل و پیکار کو دخل دیا تو گویا اس نے اپنے دین کو خصومات کا ہدف اور طعن و اعتراض کا نشانہ بنایا۔

امام احمد حدیث و آثار کے متبع تھے۔ وہ اس مسلک سے بال برابر بھی نہ ہٹتے تھے صحابہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور تابعین کرام کی کثرت رائے جس طرف دیکھتے تھے، اس کو پسند کرتے تھے۔

"المسند" احادیث کا مشہور مجموعہ ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے امام احمد حدیث رسول اور آثار صحابہ کے علاوہ کچھ لکھنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ وہ دین کے معاملات میں بدعت سے دور رہتے تھے۔ ان کے نزدیک دین کی اصل "کتاب وسنت" ہے اور کتاب و سنت میں تعارض ممکن نہیں۔ امام احمد سے جو اقوال منسوب ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا علم وہ صحیح ہے جو سنت کے طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو اور دین کی طلب وہ راست اور صحیح ہے۔ جو سنت کے موافق ہو۔ فقہ و شریعت میں بھی طریق سنت کو پیش نظر رکھنا ازبس ضروری ہے اور جو لوگ صرف قرآن مجید پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اس کے فہم و بیان میں سنت سے مدد نہیں لیتے، وہ گمراہ اور راہ حق سے دور ہیں۔

مصر کے مشہور عالم اور پروفیسر قانون شیخ ابو زہرہ نے اپنی کتاب "حیات احمد بن حنبل" میں لکھا ہے کہ "امام احمد اپنی فقہ میں پورے طور پر متبع سنت اور اہل حدیث تھے۔ خواہ انہوں نے اجتہاد سے کام لیا ہو یا احکام و فتاوی نقل کئے ہوں۔ وہ اپنے فقہی اصولوں میں ہمیشہ سلف کے مینارۂ نور سے روشنی طلب کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ ان کی فقہ جامد نہیں ہے بلکہ اس میں تازگی ہے۔ زندگی ہے اور شادابی ہے۔"

ائمہ اربعہ کے عہد کی خصوصیات

مذکورہ بالا ائمہ کا عہد اپنی حیثیت میں دو اعتبارات سے ایک عظیم الشان عہد تھا:

اوّل یہ کہ مختلف مکاتب فقہ کے تمام طریقے، اصول و فروغ واضح ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ ان تمام طریقوں کے درمیان دیگر فقہاء کو موازنہ کرنا آسان ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی موازنہ کے بعد ایک جلیل القدر و بلیغ الاثر علم کی بنیاد پڑی اور وہ علم "اصول الفقہ" کہلایا۔ علم "اصول فقہ" فقہی طریقہ کار کا ایک ایسا اصول ہے جس کو ایک فقیہ حاصل کئے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتا۔ استنباط

toobaa-elibrary.blogspot.com

احکام میں خطاء سے محفوظ رہنے کے لئے سوائے علم اصول فقہ کے کوئی دوسرا علم سلامتی کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ امام شافعی نے فقہ مدنی کو مدینہ مبارک میں حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ کو ان کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمتہ اللہ علیہما سے۔ اب امام شافعی کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ فقہ مدنی اور فقہ عراقی کے درمیان موازنہ کریں۔ لیکن اس موازنہ کے لئے یہ ضروری قرار پایا کہ اولاً قیاس کے لئے کچھ ایسے اصول مقرر کئے جائیں، جن کے ذریعہ بشکل قیاس حق کو باطل سے متمیز کیا جاسکے۔ چنانچہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے اصول کی بنیاد رکھی اور یہی استنباط و استخراج مسائل کا مقیاس قرار پائے۔ اور ان کا نام اصول فقہ رکھا گیا۔ گویا یہ اصول ایک ایسی میزان قرار پائے جن پر مجتہدین کی آراء کا موازنہ کیا جاسکتا تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ یہ ایک ایسا طریقہ تھا جس کا اتباع ہر فقیہہ پر واجب تھا تاکہ احکام کا ان کے ماٰخذ سے استنباط کیا جاسکے اور رائے کے ذریعہ اجتہاد کے طریقہ کو معلوم کیا جاسکے۔

دوم تدوین فقہ کا کارنامہ، فقہ اور حدیث کی تدوین کے کارناموں کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے۔ تو ایک ساتھ ہی صورت پذیر ہوئے ہیں۔ ان دونوں کی ابتداء ایک ہی زمانہ اور ایک مستقیم افق سے نمودار ہوئی ہے۔ چنانچہ متقدین کی بعض کتب میں یہ طریقہ موجود ہے کہ فقہی مسائل کے ساتھ ہی احادیث کی روایت بھی کی گئی ہے۔ جیساکہ "مؤطا امام محمد" میں فقہی مسائل کے ساتھ ساتھ احادیث کی روایات اور صحابہ و بعض تابعین کے اجتہادات بھی نظر آتے ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی قیاسی مسائل بھی موجود ہوتے ہیں۔

امام محمد نے اپنی کتاب "جامع" میں فرمایا ہے کہ "فیہ رائی ولیس برائی" یعنی اس میں رائے ہے جو رائے نہیں بھی ہے۔ یعنی رائے اس لئے ہے کہ اس میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی آراء کو بیان کیا گیا ہے۔ یا ان آراء میں سے بعض کو مختار اور بعض

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو غیر مختار قرار دیا گیا ہے، یا ان آراء پر مسائل کی بنیاد رکھی گئی ہے، لہذا اس اختیار اور بنیاد کی بناء پر تو یہ رائے ہیں۔ لیکن اس حیثیت سے کہ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار کو روایت کیا گیا ہے اور ان پر اعتماد کیا گیا ہے، رائے نہیں ہیں۔ گویا ان مسائل سے مشابہ ہیں جو رائے نہیں کہلاتے۔ درحقیقت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا "موطا" حدیث اور فقہ کا پختہ اور صادق ترین مجموعہ ہے۔

"موطا امام محمدؒ" کو فقہ اور حدیث کا مجموعہ ہونے کی حیثیت سے عراقی فقہ کے تدوینی سلسلہ میں اولیات کا درجہ حاصل ہے۔ درحقیقت اس موطا کو فضل و اتفاق اور صدق میں افضلیت حاصل ہے۔ اگرچہ اس سے قبل مدنی فقہ میں "موطا امام مالکؒ" کو اولیت حاصل ہے لیکن حنفی عراقی فقہ میں اولیت موطا امام محمد ہی کو حاصل ہے۔ اور وہ فقہی اغراض کی وسعت کے اعتبار سے موطا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ واضح ہے۔

امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے بعد امام شافعی کا دور آیا۔ آپ نے فروعات و جزئی مسائل کے بیان کرنے میں وہی طریقہ اختیار فرمایا جو امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا تھا۔ اور یہ امر ایک واضح بات ہے کہ جب تک مسائل میں فرض اور تقدیر سے کام نہ لیا جائے۔ مسائل مختلفہ جدیدہ اپنے وجود میں نہیں آسکتے۔ لامحالہ فرضی وجود ہی ان احکام کے استخراج و ترتیب کی بنیاد ہو گا۔ امام شافعی نے امام محمد سے فقہ حنفی کی تعلیم میں تلمذ حاصل کیا تھا جو آپ کی طبیعت پر اثر انداز ہو گیا تھا۔ چنانچہ بعض مسائل میں امام شافعی نے امام محمد سے اختلاف کیا ہے اور بعض مسائل میں اتفاق، اور یہی ایک مستقل مجتہد کا طریقہ ہوا کرتا ہے۔

اس کے برخلاف امام مالک رحمتہ اللہ علیہ مسائل کو فرض کر لینے سے بہت حد تک اجتناب فرمایا کرتے تھے۔ آپ کسی مسئلہ کا جواب اسی وقت دیا کرتے تھے۔ جب وہ واقع ہو جاتا، آپ کے اصحاب میں یہ جرأت نہ تھی کہ کسی ایسے مسئلہ میں جو وجود میں نہ آیا ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالفرض و التقدیر آپ سے اس کے متعلق دریافت کریں۔ البتہ آپ کے بعض اصحاب نے آپ سے کسی غیر واقع مسئلہ کا حکم معلوم کرنے میں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اس کو واقع شدہ ظاہر کر کے اس کے متعلق سوال کیا کرتے، اس طرح آپ کی فقہ بھی فرضی و تقدیری مسائل سے خالی نہ رہ سکی۔ وجہ یہ ہوئی کہ اسید بن الفرات جو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے اپنی نسبت رکھتے تھے مدینہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے متعدد مسائل کے متعلق سوالات کئے، چنانچہ امام مالک نے ان کے جوابات کے لئے اسید کو حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا حوالہ دیا کہ ان سے معلوم کریں، چنانچہ اسید بن الفرات امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی کتب سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد پھر امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تاکہ ان مسائل کے متعلق امام مالک سے خود ان کے مذہب پر فتاوی معلوم کریں۔ لیکن وہ جس وقت وہاں پہنچے تو امام مالک وفات پا چکے تھے چنانچہ یہ حضرت امام مالک کے شاگرد عبدالرحمٰن ابن القاسم رحمتہ اللہ علیہ کے پاس مصر پہنچے اور ان کے مسائل کے متعلق مالکی مذہب کے اعتبار سے احکام معلوم کئے۔ ابن قاسم کو ان مسائل کے متعلق امام مالک سے جو کچھ جن مسائل میں معلوم ہوتا جواب دیتے لیکن جن مسائل میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے کوئی قول منصوص نہ ہوتا تو آپ امام مالک کے دیگر اقوال پر قیاس کر کے ان کا حکم واضح فرما دیتے۔ چنانچہ اسید ابن الفرات نے اس طرح امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب پر مسائل کو جمع کیا۔ اور جس مجموعہ میں ان کو جمع کیا تھا اس کا نام "اسدیات" رکھا۔ لیکن عبدالرحمٰن ابن القاسم نے جن مسائل کا اسید کو املاء کرایا تھا۔ ان میں سے بعض میں ان کے سابقہ احکام سے رجوع کر لیا۔ اور دوسرے احکام میں تبدیلی کر دی۔ یہ مسائل مع اصل کتاب کے علامہ سحنون (متوفی ۲۴۰ھ) تک پہنچ گئے۔ اور انہوں نے ان کو اپنی مشہور کتاب "المدونتہ الکبریٰ" میں جمع کر دیا۔ جو مالکی فقہ کی مستند ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصہ یہ کہ فقہ تقدیری (مسائل فرضیہ) کے احکام ہر مذہب کے اعتبار سے مدون ہوتے چلے گئے۔ اور آخر میں ایک ایسا وقت آیا کہ علماء نے ایسے ایسے مسائل کو بھی فرض کرنا شروع کر دیا جن کا وقوع عقل کے نزدیک محال اور تقریباً ناممکن تھا۔ اور پھر ان مسائل کو اپنی غور و فکر کی جولان گاہ بنا لیا۔ اور اس سے قطع نظر کہ وہ مسائل عقل کے نزدیک مقبول ہو سکتے ہیں یا نہیں، بعید الحصول ہیں یا سہل الحصول، ان پر اپنے خیالات کے مطابق احکام مرتب کر دیئے، اور یہی طریقہ ان کے باہم اختلاف و جدال کا سبب ہو گیا کہ آیا ایسے مسائل کو فرض کر لینا جو عقل کے نزدیک بعید الحصول ہوں یا محالات سے ہوں جائز ہے یا نہیں؟ بالآخر اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ جو فرضی واقعات عقل کے نزدیک محال ہوں ان کا فرض کر لینا جائز نہیں بلکہ ایسے مسائل کا فرض کر لینا کسی عاقل شخص کا کام ہی نہیں اسی طرح جو واقعات عادۃً محال ہوں ان کو فرض کر لینا بھی درست نہیں۔ اسی وجہ سے ابن القیم رحمتہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر کسی مفروضہ مسئلہ میں کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا کوئی اثر موجود نہیں تو ایسے مسئلہ میں اظہار رائے اور گفتگو میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر مسئلہ بعید الوقوع ہے یا اس کا واقع ہونا مشکل نظر آتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ اس میں گفتگو نہ کی جائے۔ اور اگر مسئلہ کا وقوع نادر نہیں ہے یعنی ممکن الوقوع ہے اور مسائل کا مقصد و نیت مسئلہ کے معلوم کرنے سے اس کے حکم کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ اس کو بصیرت حاصل رہے تو پھر اس کو اپنے علم کے مطابق جواب دینا ہی بہتر ہو گا۔ خصوصاً جبکہ مسائل کا منشاء تفقہ فی الدین ہو اور نظائر پر قیاس کر کے فروعات کے احکام کے استخراج کی صلاحیت رکھتا ہو تو جس مقام پر ایسے مسئلے کے جواب دینے کی مصلحت راجح ہو وہاں جواب دینا ہی اولیٰ ہو گا۔

حق یہ ہے کہ ایسے مسائل کا فرض کر لینا جو ممکن الوقوع ہوں۔ قریب الوقوع ہوں، معاشرے کے لحاظ سے ان کے احکام کا استخراج ایک امر مستحسن قرار پاتا ہے۔ بلکہ ایک فقیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے لئے تو ایسے مسائل میں غور و فکر کرنا لابدی ہو گا۔ یہ امر بالکل یقینی ہے کہ علم کا مغز و روح یہی امر ہے۔ اور اس طریقہ کے اختیار کرنے میں وہ آئمہ متقدمین کا متبع شمار ہو گا۔ فقہ کی تدوین اور آئمہ سلف کی آراء اور ان کی فکری آثار کی تدوین ہی اسی طریقہ کے اختیار کرنے سے ہوئی تھی۔ اور جبکہ فقہا قیاس کا یہ طریقہ سابق سے چلا آرہا ہے تو اس کے بارے میں یہی کہنا چاہیئے کہ یہ ایک فضیلت اور خیر کثیر کے جمع کرنے کا راستہ ہے اور ایک عام نفع کا سر چشمہ ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو فقہی آراء کے لیئے کوئی مقام باقی نہ رہے گا۔

شیعی مذاہب

اس دور میں شیعوں کے تین فقہی مذہب پیدا ہوئے ایک شیعہ امامیہ جس کو شیعہ اثنا عشریہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرے شیعہ زیدیہ اور تیسرا شیعہ اسماعیلیہ۔

شیعہ امامیہ

شیعہ امامیہ اپنی فقہ کی نسبت امام ابو عبداللہ جعفر الصادق کی طرف کرتے ہیں۔ یہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی مانتا ہے۔ اور بہت سے فقہی مسائل میں اہل سنت کے خلاف ہے۔ فقہاء شیعہ سنت نبوی میں صرف ان روایات کو لیتے ہیں جو آل بیت کے طریق و سند سے مروی ہوں۔ وہ اجماع اور قیاس کے قائل نہیں ہیں۔ اگر قرآن و سنت میں کوئی حکم نہ ہو تو اپنے آئمہ کے اقوال کا اتباع کرتے ہیں۔ اور ادلہ عقلیہ کو حجت مانتے ہیں۔

شیعہ زیدیہ

شیعہ زیدیہ حضرت زید بن علی ابن العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب کی طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

منسوب ہیں۔ فرقہ شیعہ زیدیہ میں ائمہ مجتہدین کی خاصی تعداد ہے۔ ان کے سب سے بڑے امام الحسن علی بن الحسن بن زید بن عمر بن علی بن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے شیعوں کے مختلف مذاہب میں یہ مذہب جمہور کے مذہب سے زیادہ قریب ہے۔ احادیث صرف اہل بیت ہی سے نہیں بلکہ جمہور سے بھی روایت قبول کرتے ہیں۔ شیعہ زیدیہ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ مستحق خیال کرتے ہیں۔ لیکن وہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے۔ امام زید سے مروی کتاب "المجموع" ان کی مستند ترین کتاب شمار کی جاتی ہے

شیعہ اسماعیلی فرقہ

اس دور میں شیعہ اسماعیلی مذہب بھی پیدا ہوا جو اسماعیل بن جعفر الصادق کی طرف منسوب ہے۔

یہ تینوں شیعہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ان سب میں عقیدہ عترت" اور عترت کی وراثت کا طریقہ مشترک ہے۔

دیگر مذاہب فقہ

بعض دیگر ائمہ مجتہدین کے عہد میں چند دیگر فقہی مسالک پیدا ہوئے لیکن وہ جلد ہی متروک اور معدوم ہو گئے۔ مثلاً

۱۔ مسلک امام اوزاعی

۲۔ مسلک لیث بن سعد (۷۵ - ۸۸ ھ)

۳۔ مسلک داؤد بن علی الظاہری (۲۰۲ - ۲۷۰ھ)

۴۔ مسلک ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۴ھ -) وغیرہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ اصحاب اپنی وسعت علم کے سبب درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی زندگیوں میں ان کا ایک خاص فقہی مسلک بن گیا۔ لیکن انہیں اپنے مسلک کی ترویج اور اشاعت کے لئے مواقع میسر نہ آئے اور نہ سیاسی حالات ہی نے ان کی موافقت کی چنانچہ ان کے مسلک پر کچھ عرصہ عمل کیا گیا۔ لیکن بعد میں اس کے ماننے والے باقی نہ رہے اور یہ مسالک معدوم ہو گئے۔ البتہ ظاہری مسلک امام ابن حزم (۳۸۴ - ۴۵۶ھ) کے سبب دوبارہ زندہ ہوا اور اس کے متبعین ہندو پاکستان میں اہل حدیث کے نام سے جانتے جاتے ہیں جن کو غیر مقلد بھی کہا جاتا ہے۔

---

toobaa-elibrary.blogspot.com

پانچواں دَور

شارحین فقہ کا عہد

(چوتھی صدی سے زوال بغداد تک)

یہ دور متعدد مذاہب کی اشاعت اور تقلید کا دور ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں خلافت اسلامیہ کمزور ہوچکی تھی۔ اور متعدد سلطنتیں قائم ہوچکی تھیں۔ اور ان کے ساتھ ہی مختلف فقہی مذاہب نے فروغ پایا۔ سیاست کا حکم عقیدہ پر غالب آنے لگا تو مختلف فقہی مذاہب کے ائمہ نے تقلید میں عافیت سمجھی اور عامۃ الناس کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

اس زمانہ میں مسلمانوں کا سیاسی شیرازہ منتشر ہو رہا تھا تاآنکہ ۶۲۶ھ میں سقوط بغداد کے ساتھ اسلام کا سیاسی زوال اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اگرچہ اس دوران بہت سے علماء و فضلاء پیدا ہوئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ فقہ میں ارتقاء کی جو درج گزشتہ تین صدیوں تک کام کر رہی تھی وہ چوتھی صدی میں کمزور ہوگئی۔ اور بالآخر زوال بغداد کے ساتھ اجتہاد کی جگہ تقلید نے لے لی جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک معین امام کے فقہی احکام کا اتباع اور اس کے اقوال کا اس طرح اعتبار کیا جانے لگا گویا وہ شارع علیہ السلام کی طرف سے منصوص ہیں، جن کی پیروی مقلد پر لازم ہوگئی۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ سابقہ ادوار میں بھی مجتہد اور مقلد دونوں موجود

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھے۔یعنی یہ کہ فقہاء مجتہدین تھے۔ جو فقہی احکام براہ راست کتاب وسنت سے اخذ کرتے تھے۔ اور ان کو استنباط احکام کی قدرت حاصل تھی اور مقلدین یعنی عام لوگ تھے جو اپنے شہر کے کسی نہ کسی مجتہد کی طرف دریافت احکام کے لئے رجوع کرتے تھے۔ اور اس کے بتائے ہوئے فتوے پر عمل کرتے تھے۔ لیکن اس دور میں علماء اور عوام خاص وعام ہر شخص تقلید کا نہ صرف قائل بلکہ اس پر سختی کے ساتھ عامل ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے علمائے فقہی احکام کو براہ راست کتاب وسنت سے اخذ کرنا چھوڑ دیا اور کسی ایک امام کی فقہ اور اس کے مدونہ احکام پر انحصار کرنے لگے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان ائمہ مجتہدین کی کتابوں کی شرحیں اور شرحوں کی شرحیں لکھی جانے لگیں اور اس طرح علماء نے اختیار و اجتہاد کے دروازے اپنے اُوپر بند کر لئے۔ اگرچہ اس دور میں بعض جلیل القدر فقہاء پیدا ہوئے۔ جو اپنے علم وتفقہ کی بناء پر درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن ان میں تقلید کی روح اس طرح سرایت کر گئی تھی کہ ان میں خود استنباط و اجتہاد کرنے کی ہمت نہ تھی۔ چنانچہ اس دور کے علماء نے ایک معین مذہب فقہ کی تقلید اپنے اُوپر واجب اور لازم کر لی۔ اور اپنے آپ کو اجتہاد کے فریضہ کا اہل سمجھنا چھوڑ دیا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ استخراج واستنباط کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اس کی بڑی وجہ قاضی حضرات کی تقلیدی روش بھی تھی، جو اپنے فیصلہ میں کسی معین اور مدون مذہب فقہ کی پیروی کرتے اور اس سے تجاوز نہ کرتے۔ اور صرف علماء سلف کے اقوال کو نقل کر دینا ہی کافی خیال کرتے۔

مذہبی تعصب

علاوہ ازیں علمی مناظروں اور فرقہ وارانہ تعصبات نے بھی تقلید کے حق میں فضا ہموار کرنے میں مدد دی۔ پہلے پہل ائمہ اور فقہاء میں دین کی محبت اور ایک دوسرے کا احترام کا جذبہ موجود تھا لیکن بعد میں للہیت کی جگہ خود غرضی نے لے لی اور بے نفسی تقرب امیر میں تبدیل ہو گئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

چھٹا دور

تقلید محض اور جمود کا عہد

(زوال بغداد سے تیرھویں صدی ہجری تک)

زوال بغداد کے بعد علماء اسلام میں سے اجتہادی روح بالکل فنا ہو گئی اور وہ بالعموم لکیر کے فقیر ہو کر رہ گئے۔ حتیٰ کہ اپنے ائمہ کے اقوال میں شوشہ بھر تبدیلی کے روادار نہ تھے اس سے اسلامی فقہ جو اپنی ہیئت ترکیبی میں ایک جاندار اور ارتقاء پذیر اور متحرک فقہ تھی فقہ جامد ہو کر تنزلی کی راہ پر گامزن ہو گئی۔ اس پر مزید ظلم یہ ہوا کہ تعلیم و تعلّم کے لئے اپنے ہی عقیدہ و مسلک کی کتابوں پر اکتفا کیا جانے لگا نتیجتہً علوم کی حقیقی رُک گئی، اور مختلف مذاہب فقہ کے مطالعہ سے جو وسعت نظری اور عالی ظرفی پیدا ہوتی ہے۔ علماء میں نایاب ہو گئی بلکہ ہر فقہی مذہب کے متبعین اپنے مسلک کی تائید و حمایت میں معاندانہ حد تک دوسروں کو نیچا دکھانے کے درپے رہتے جس سے دینی علوم کی تحقیر عام ہو گئی۔ اگرچہ اس زمانہ میں امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ دھلوی جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں لیکن یہ حضرات بھی علماء میں اجتہادی شعور پیدا نہ کر سکے اور یہ پورا سات سو سالہ "دور" تقلید محض اور جمود" کا دور کہلایا۔ علماء میں ایک دوسرے سے دوری بلکہ ائمہ مذاہب کی امہات کتب سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

لاتعلقی اور زمانہ تنزل کی کتابوں سے اعتناء اس دور کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ انسانیت کی یہ ایک عجب ستم ظریفی ہے کہ جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت بن کر آئے ان کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ ہم عصروں نے شدید طور پر مخالفانہ رویہ اختیار کئے رکھا اور وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کے ہاتھوں بتلائے غم و آلام رہے لیکن جوں ہی معاصرانہ چشمک کا دور ختم ہوا۔ حقانیت اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ جلوہ گر ہوئی اور اپنے زمانے کے "ستم رسیدہ" آنے والے زمانے کے لئے "آفتاب ہدایت" بن کر چمکے۔ ان ہی لوگوں میں شیخ الاسلام تقی الدین احمد امام ابن تیمیہ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ کو اپنے زمانہ میں جس ابتلاو آزمائش سے گزرنا پڑا اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں موجود ہے۔ لیکن یہ کسقدر عجیب حقیقت ہے کہ جس شخص کو ایک زمانہ میں کافر تک کہہ دیا گیا وہ بالآخر "شیخ الاسلام" کہلایا[۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ بمقام حران پیدا ہوئے۔ آپ کا نام تقی الدین اور کنیت ابو العباس تھی۔ والد صاحب کا نام شہاب الدین اور کنیت ابو المحاسن تھی۔ آپ کا خاندان علم وفضل میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ خود آپ کے والد شہاب الدین اور آپ کے دادا ابو البرکات عبد السلام بڑے پائے کے عالم گزرے ہیں۔ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام کی مشہور تصنیف "التحریر" حنبلی فقہ میں ابن قدامہ المقدسی متوفی ۶۲۰ھ کی مشہور کتاب المغنی کے بعد مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

امام ابن تیمیہ کا عہد طفولیت حران میں گذرا۔ تاتاریوں کی غارت گری کے خوف

---

[۱] علاؤ الدین محمد بن محمد عجمی بخاری متوفی ۸۴۱ھ نے فتویٰ دیا تھا کہ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہنے والا کافر ہے اور ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے جب آپ کے خاندان نے حران سے دمشق ہجرت کی۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۶، ۷ سال تھی۔ ابن تیمیہ کے والد جو بڑے پائے کے عالم تھے۔ جب دمشق پہنچے تو دمشق کی جامع اعظم میں مسند وعظ اور دارالحدیث سکریہ کے شیخ الحدیث کے بلند منصب پر فائز کئے گئے۔

چنانچہ امام ابن تیمیہ نے جس فضا میں آنکھ کھولی وہ علم و دین کی خوشبوؤں سے معطر تھی۔ امام صاحب کا خاندان خطابت وزوربیان اور قوت حفظ میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ امام صاحب کو بھی یہ چیزیں ورثہ میں ملیں۔ بچپن ہی میں قرآن پاک حفظ کرلیا حفظ قرآن کے بعد حفظ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ بعدازاں علم الفقہ میں دسترس حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے متداول علوم حاصل کئے۔ اور علوم منقول و معقول میں کمال پیدا کیا۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد، جو ۶۸۲ھ میں ہوا۔ آپ مسند درس پر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی۔ مگر آپ کے درس کا شہرہ سن کر اطراف وجوانب سے شائقین علم کھینچے چلے آتے تھے۔ امام صاحب نے درس وخطابت کے ساتھ تصنیف وتالیف اور افتاء و مناظرہ کا بھی سلسلہ شروع کر دیا۔ جس نے ایک طرف آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے تو دوسری طرف مخالفین کی ایک کثیر تعداد بھی پیدا کر دی۔ آپ کے مخالفین زیادہ تر طبقہ خواص میں سے تھے۔ جن میں فقہا کا گروہ خاص طور پر پیش پیش تھا۔

امام صاحب کو اپنی علمی زندگی میں سب سے پہلا حادثہ "رسالہ حمویہ" کے سلسلے میں پیش آیا۔ جو آپ نے حماۃ (شام کا ایک قصبہ) کے لوگوں کے استفسار کے جواب میں تحریر

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرمایا تھا۔ اس رسالہ میں آپ نے صفات باری تعالیٰ "استواء علی العرش" اور "توسع کرسیہ السموات والارض" ۔۔۔۔ کے بارے میں اپنے عقائد و افکار کا اظہار کیا تھا۔ اس رسالہ سے امام صاحب کی علمی زندگی میں بحث و مجادلہ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ کیونکہ فقہاء کی ایک جماعت نے آپ کے اس فتویٰ کے خلاف آواز بلند کی، تا آنکہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوا امام صاحب نے شافعی قاضی امام الدین کے روبرو علماء و فضلاء کی ایک جماعت کے سامنے اپنے نقطۂ نظر کی متعدد پہلوؤں سے وضاحت کی۔ معاملہ رفع دفع ہوا، اور امام صاحب حسب معمول درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہو گئے۔

سنہ ۶۹۳ھ میں تاتاریوں نے شام پر حملہ کر دیا۔ شام و مصر کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ اس ہزیمت کے نتیجہ میں تقریباً سارے شہر دمشق میں وہ افراتفری اور بھگدڑ مچی کہ الامان الحفیظ جس کا منہ جدھر اٹھا چل دیا۔ سارا شہر خالی ہو گیا۔ حتیٰ کہ امراء اور علماء کے قدم بھی نہ ٹک سکے۔ تاریخ ابن کثیر (ج ۱۴ ص ۷) میں لکھا ہے کہ "اس صورت حال کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس شہر میں ہر طرف لوٹ مار اور چھین جھپٹ کا بازار گرم ہو گیا۔ یہاں تک کہ جیل کا پھاٹک اور زنداں کی کھڑکیاں توڑ کر قیدی باہر نکل آئے۔ دو سو آدمیوں کا یہ قانون شکن اور امن سوز گروہ لوٹ مار میں مصروف ہو گیا اور شہر تاتاریوں کے شہر میں داخلے سے پہلے خود شہر والوں کے ہاتھوں لٹنے لگا اور حکومت فسادیوں اور فتنہ گروں کے ہاتھ میں آ گئی۔

اس موقع پر جبکہ ہر طرف طوائف الملوکی مچی ہوئی تھی۔ امام صاحب نے مسند علم سے اٹھ کر میدان عمل میں قدم رکھا، بچے کھچے شہریوں کو جمع کر کے شہر نہ چھوڑنے کی تلقین کی اور خود ایک وفد کی صورت میں تاتاریوں کے بادشاہ قازان سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے شاہ قازان کے روبرو آپ نے جو گفتگو فرمائی اس کا مفصل حال مختلف کتب تاریخ و سیر میں ملتا ہے جس سے امام صاحب کی جرأت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اس گفتگو کے ابتدائی نتیجہ میں قازان نے اگرچہ امان کا اعلان کر دیا۔ ساتھ ہی یہ حکم

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیا کہ ہزیمت یافتہ حکومت شام کا اسلحہ جنگ، گھوڑے، خچر اور تمام خزانہ اس کے حوالہ کر دیا جائے لیکن آٹھ ہی روز بعد تاتاری سپاہیوں نے شہر کے مضافاتی علاقوں پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اہل جبل (شام کے کوہستانی علاقوں کے شیعہ فرقہ کی شاخ باطنی فرقہ کے بظاہر مسلمان مگر درحقیقت منافق اور مفسد لوگ) نے تاتاریوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کی۔ مسلمانوں کا مال لوٹا۔ مسلمان عورتوں کو کنیزیں اور لڑکوں کو غلام بنایا بعد میں تاتاری فوج شہر میں بھی گھس آئی اور سارے شہر کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ امام صاحب نے شاہ قازان سے دوبارہ ملاقات کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ البتہ امام صاحب کی کوشش سے تاتاریوں کے پنجہ ستم سے بے گناہ قیدیوں کی ایک بڑی تعداد ضرور رہا ہو گئی جس میں مسلمان قیدی ہی نہیں بلکہ ذمی (غیر مسلم) بھی شامل تھے۔

سات سال بعد پھر ۶۹۹ ــ ۷۰۰ھ میں خبریں آنا شروع ہوئیں۔ کہ تاتاری شام پر حملہ کرنے کے ارادے سے بڑھے چلے آرہے ہیں۔ دمشق میں پھر سراسیمگی کی کیفیت پیدا ہونے کو تھی لیکن امام صاحب نے پورے جوش و قوت کے ساتھ تاتاریوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کیا اور لوگوں میں زور و شور کے ساتھ جہاد کی تبلیغ شروع کر دی۔ امام صاحب نے صرف وعظ و تلقین ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ خود مسلح ہو کر جہاد میں عملی حصّہ لینے کے لئے میدان میں نکل آئے آپ شام کی فوج میں گئے اور انہیں تاتاریوں کے خلاف جہاد کی تلقین کی۔ اس کے ساتھ ہی وہ خود مصر تشریف لے گئے اور شاہ مصر ناصر بن قلاوون کو تاتاریوں سے لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔ اور شاہ نے فوجوں کو شام کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ مصر و شام کی ان جنگی تیاریوں کی خبر پا کر تاتاریوں نے شام پر حملہ کا ارادہ ملتوی کر دیا اور بفضل خدا امام صاحب کی کوششوں سے اہل شام کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔ تاتاریوں کے واپس چلے جانے کے بعد امام صاحب پھر مسند درس پر متمکن ہو گئے۔ اور علم و عرفان کے اس عظیم سمندر سے لوگ پھر سیراب ہونے لگے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام صاحب کی ان مردانہ وار کوششوں کا جو قدرتی اثر مرتب ہونا چاہیئے تھا۔ وہ ہوا۔ ان کا نام خاص و عام ہر ایک کی زبان پر تھا۔ ایک طرف شام کے عوام آپ کو اپنا سب سے بڑا پشتیبان سمجھنے لگے تو دوسری طرف حکومت بھی آپ کو ایک مخلص و ہمدرد مشیر خیال کرتی۔ لیکن کچھ لوگ تھے جو امام صاحب کی اس سربلندی سے خائف تھے انہیں یہ خدشہ تھا کہ اب امام صاحب کو اپنے عقائد و نظریات کی تبلیغ و تشہیر کا خوب موقع ہاتھ آئے گا۔ اور لوگ ان کے کہنے پر چلنے لگیں گے۔ چنانچہ امام صاحب کے خلاف ایک جعلی تحریر تیار کی گئی جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ خفیہ طور پر تاتاریوں سے ساز باز رکھتے ہیں لیکن نائب السلطنت امام صاحب کا معتقد تھا۔ چال ناکام ہو گئی اور شخص مرتکب کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔

تاتاریوں کا حملہ

دو سال بعد ۷۰۲ھ میں بالآخر تاتاری آن دھمکے لیکن مصر و شام کی فوجوں اور ساتھ ہی شام کے عوام نے مرنے مارنے پر کمر باندھ رکھی تھی۔ اِدھر امام صاحب خود بنفس نفیس میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ ان کی شعلہ بیانی قلب و جگر میں گرمی پیدا کر رہی تھی۔ مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف کی فوجیں جم کر لڑیں مگر مصر و شام کی فوجیں اس بے جگری سے لڑیں کہ تاتاری فوج کے قدم اکھڑ گئے اور بھاگ نکلی مصری و شامی سپاہی دور تک تعاقب کر کے تاتاری سپاہیوں کو مارتے چلے گئے۔ تاتاریوں کی اس شکست سے ان کی ہیبت، جو دلوں پر چھائی ہوئی تھی، ختم ہو گئی۔ لوگوں کے دلوں میں امام صاحب کی عزت و رفعت کئی گنا بڑھ گئی۔ امام صاحب نے اس معرکہ جدال سے فراغت پاتے ہی شاہ مصر کی توجہ اہل جبل کے فتنہ کی طرف دلائی، جنہوں نے تاتاری سپاہ کا ساتھ دیا تھا۔ شاہی حکم سے امام صاحب ایک لشکر کے ساتھ خود اہل جبل کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ ان سے ہتھیار چھین لیئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کمین گاہیں مسمار کردیں اور درخت کاٹ ڈالے تاکہ وہ آئندہ اکا دکا مسلمان پر حملہ کی جرائت نہ کرسکیں۔ یہ لوگ مسلمانوں پر چھپ کر حملہ کرکے انہیں گرفتار کر لیتے اور غلام بنا کر عیسائیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا کرتے تھے۔ اس واقعے کی بناء پر باطنی فرقے کے یہ لوگ امام صاحب سے سخت برہم اور درپردہ ان کے جانی دشمن ہوگئے۔ لیکن امام صاحب کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ عوام الناس آپ کے راستے میں آنکھیں بچھاتے تھے۔

امام صاحب اس کام سے فارغ ہو کر مسلمانوں کے عقائد و افکار کی اصلاح کے عظیم کام کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف کلامی فرقوں اور صوفیاء سو کے زیر اثر جو بدعتیں مسلمان معاشرہ میں رواج پکڑ گئی تھیں۔ ان کے استیصال کے لئے زبردست مہم چلائی۔ اس کے نتیجہ میں امام صاحب کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر سنہ ۷۰۵ھ میں امام صاحب کو حکومت مصر نے طلب کیا۔ آپ نے اس خطرہ کے باوجود کہ کہیں قید نہ کر لیے جائیں۔ مصر کا سفر اختیار کیا۔ راستہ میں جگہ بہ جگہ تقریریں کرتے، لوگوں کو بدعتوں سے روکتے اور سلف کا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے جاتے۔ بغرض امام صاحب قاہرہ پہنچے۔ قلعہ میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ امام صاحب سے ان کے اقوال کہ "اللہ تعالیٰ حقیقتاً عرش کے اوپر ہے" اور یہ کہ "اللہ تعالیٰ حروف اور آواز سے متکلم ہے۔" کے بارے میں سوالات کئے گئے۔ امام صاحب نے جواب میں تقریر کرنا چاہی۔ مگر روک دیئے گئے کہ صرف مختصر جواب دیں، تقریر نہ کریں۔ دراصل مخالفین آپ کے زور بیان اور قوت دلیل سے خائف تھے۔ آپ نے پوچھا کہ میرے عقائد کے بارے میں فیصلہ کون کرے گا؟ جواب دیا گیا کہ مالکی قاضی زین الدین بن مخلوف ۔ آپ نے اعتراض کیا کہ وہ تو میرے حریف مقابل ہیں۔ میرے عقائد کے بارے میں کیونکہ فیصلہ دے سکتے ہیں؟ بات کچھ بڑھ گئی اور قاضی صاحب نے امام صاحب کو قید کئے جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ جیل بھیج دیئے گئے۔ امام صاحب کے اس طرح جیل بھیج دیئے جانے پر بالخصوص شام کے عوام میں ہیجان برپا ہو گیا۔ اور حکومت مصر نے امام صاحب کی خدمت میں اس شرط پر رہائی کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیش کش کر دی کہ وہ اپنے بعض عقائد سے رجوع کر لیں لیکن امام صاحب نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا اور حضرت یوسف کے الفاظ میں "السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ" جس طرف یہ لوگ بلا رہے ہیں اس کے مقابلہ میں میرے لئے جیل زیادہ محبوب ہے۔ قید خانہ کی زندگی کو ایسی رہائی پر ترجیح دی۔

۱۸ ماہ قید و بند کے بعد ۲۳ ربیع الاوّل ۷۰۷ھ کو ایک عرب امیر کی کوشش سے رہا ہوئے۔ اگرچہ امام صاحب کے لئے عافیت اسی میں تھی کہ وہ دمشق واپس چلے جاتے لیکن آپ نے رہا ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ شام جانے کے بجائے مصر ہی میں سکونت اختیار کریں گے تاکہ اپنے خیالات لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں، چنانچہ آپ نے کم و بیش چھ ماہ تک مصر کی مساجد میں تقریریں کیں اور لوگوں کو سلف کے طریقہ کی طرف بلایا۔

مصر میں امام صاحب نے نام نہاد صوفیاء کے عقائد پر شدید نکتہ چینی کی، جو عقیدہ وحدت الوجود کے قائل تھے کہ وجود اور موجود خالق اور مخلوق میں کوئی تفریق نہیں امام صاحب نے علی الاعلان محی الدین ابن عربی کے فلسفۂ تصوف کے خلاف نکتہ چینی شروع کر دی۔ بالخصوص امام صاحب "استغاثہ" کو صرف خدا ہی سے خاص رکھتے تھے۔ آپ کے نزدیک کسی اور سے، حتیٰ کہ رسول کریمؐ سے بھی استغاثہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس نکتہ چینی پر صوفیاء کا گروہ آپ کے خلاف ایک بار پھر حرکت میں آگیا اور دربار میں شکایت کی گئی۔ امراء سلطنت پر ان صوفیاء کا خاصہ اثر تھا۔ آپ شوال ۷۰۷ھ میں دوبارہ جیل بھیج دیئے گئے، مگر کچھ عرصہ بعد رہا کر کے قاہرہ سے اسکندریہ بھیج دیا گیا۔ آپ نے اسکندریہ پہنچتے ہی وعظ و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ اسکندریہ میں تقریباً سات ماہ مقیم رہے۔ شوال ۷۰۹ھ میں قاہرہ واپس تشریف لے آئے اور درس کا باقاعدہ سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اپنے نورِ ہدایت سے لاکھوں بندگان خلق کو بہرہ یاب کیا۔

تقریباً سات سال مصر میں قیام کرنے کے بعد آپ ملک شام تشریف لے گئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذیقعد ۷۱۲ھ میں جب آپ دمشق پہنچے تو خلقت آپ کے دیدار کے لئے ٹوٹی پڑتی تھی کیونکہ آپ کی حیثیت محض ایک زبردست عالم دین ہی کی نہیں بلکہ پچھلے کارہائے نمایاں کے سبب ایک مخلص عوامی لیڈر کی بھی تھی۔

امام صاحب نے اپنی عمر کا بقیہ حصہ دمشق میں گزارا اور فروعی مسائل فقہ اور افتاء کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے حلفی طلاق کے مسئلہ پر خاصہ ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اور آپ کو نائب السلطنت کے فرمان مورخہ ۱۹ رمضان ۷۱۹ھ کے ذریعہ اس مسئلہ پر فتویٰ نہ دینے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اپنے فتویٰ پر جمے رہے اور ممانعت کے باوجود طلاق حلفی کے خلاف فتوے دیتے رہے۔ چنانچہ سرکاری حکم سے سرتابی کے جرم میں قلعہ میں ۲۲ رجب ۷۲۰ھ کو بند کردیئے گئے۔ اور یہ سلسلہ ۵ ماہ ۱۸ دن جاری رہا۔ ۱۰ محرم ۷۲۱ھ کو سلطان ناصر کے حکم سے رہا ہوئے امام صاحب آزاد ہوکر اپنے سابقہ سلسلہ درس و تدریس تصنیف و تالیف اور افتاء میں پھر مشغول ہوگئے کہ زیارت قبور و استعانت کے خلاف فتویٰ پر پھر ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ چنانچہ سلطان مصر کے حکم سے ایک بار پھر ۷ شعبان ۷۲۶ھ کو قید کردیا گیا۔ آپ نے قید کا حکم سن کر فرمایا کہ "میں تو اس کا منتظر تھا۔ اس میں خیر کثیر اور مصلحت کبیر پنہاں ہے"۔

آپ قید خانہ میں اپنے فتاویٰ کو مدون کرتے رہے ساتھ ہی افتاء کا کام بھی جاری رکھا۔ مخالفین نے یہ سوچ کر کہ امام صاحب کا جسم گو قید میں ہے۔ مگر روح و فکر آزاد ہے، ۹ جمادی الآخر کو سرکاری حکم کے ذریعہ امام صاحب سے مطالعہ و تحریر کا سامان بھی واپس منگوالیا۔ امام صاحب اسی نئی پابندی سے سخت مضطرب تھے۔ خیالات و افکار کا ایک ہجوم تھا جو صفحۂ قرطاس پر منتقل ہونے کے لئے بے چین تھا۔ آپ مجبور ہوکر کبھی کبھی کوئلہ سے ردی کاغذ پر کچھ تحریر فرمادیتے۔ الغرض ابتلاء و محن کا یہ دور جاری تھا کہ ۲۰ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو خالق حقیقی نے اپنے اس جادہ حق پر ثابت قدم بندے کو اپنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاس بلا بلا انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ جونہی آپ کی وفات کا اعلان ہوا شہر میں کہرام برپا گیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ معذوروں کے سوا سب ہی اہل شہر جنازہ کے ساتھ تھے ہجوم کی کثرت اور لمحہ بہ لمحہ زیادتی کے سبب تین بار نماز جنازہ ادا کی گئی ۔ دمشق کی تاریخ میں اس قسم کے جنازہ کی مثال نہیں ملتی ۔ امام احمد بن حنبل کے جنازہ کے بعد سے کسی جنازہ میں لوگ اس کثیر تعداد میں شریک نہ ہوئے تھے ۔ عالم اسلام کے بیشتر مقامات پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی ۔

امام صاحب کی ساری زندگی عقائد و مسائل کی گرہ کشائیوں اور تصانیف میں گزری آپ نے اپنے پیچھے تصانیف کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے ۔ ان کی تصانیف تفسیر، حدیث فقہ، اصول فقہ، عقائد، کلام اور مناظرات پر مشتمل ہیں ۔ چند تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں ۔ (۱) رسالۃ التفسیر (۲) کتاب الایمان (۳) کتاب الاستقامۃ (۴) اقتضاء الصراط المستقیم (۵) کتاب الفرقان (۶) شرح الاصفہانیہ (۷) کتاب نقیض المنطق (۸) الرد علی المنطقیین (۹) رسالۃ الحمویہ ۔ (۱۰) منہاج السنۃ النبویہ (۱۱) موافقۃ صحیح المنقول بصریح المعقول (۱۲) تنبیہ الرجل العاقل علی تمویہ الجدل الباطل (۱۳) الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح (۱۴) رسالۃ القیاس (۱۵) رسالۃ الحسبتہ فی الاسلام (۱۶) رسالۃ وضع الجوائح (۱۷) کتاب اقامتہ الدلیل فی ابطال التحلیل (۱۸) کتاب العقود وغیرہ وغیرہ ۔ پاکستان میں آپ کی متعدد تصانیف کے اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں ۔

امام ابن تیمیہ مذاہب اربعہ میں کسی خاص فقہ کے پیرو یا مقلد نظر نہیں آتے ۔ اگرچہ ان کا منہاج (MATHODOLOGY) بنیادی طور پر حنبلی ہے ۔ وہ "حق" کو کسی ایک مذہب میں محصور نہیں سمجھتے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مسلک کو اختیار کر لیتے ہیں ۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ مذاہب اربعہ سے ہٹ کر اپنی رائے قائم کرتے ہیں ۔ اس کے بعد تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ انہوں نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعض مسائل پر اجماعی نقطہ نظر سے بھی اختلاف کیا ہے جس کی تائید میں وہ احادیث و آثار پیش کرتے ہیں۔ ان کا یہ اختلاف زیادہ تر تعبیر جدید پر مبنی ہے۔ ذیل میں ان چند اہم فتووں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے امام صاحب اپنے زمانہ میں معتوب اور قید و بند کی تکالیف سے دوچار رہے۔

امام صاحب کا سب سے زبردست مقابلہ ان کلامی فرقوں اور صوفیاء کی جماعت سے ہوا۔ جو خدا کی صفات کے بارے میں عجیب عجیب تاویلیں کرتے تھے۔ ایک طرف فرقہ جہمیہ تھا۔ جو انسان کو مجبور محض تصور کرتا تھا۔ اس فرقہ کے نزدیک جنت اور دوزخ بالآخر فنا ہو جائیں گی۔ قرآن میں "خلود" کا جو لفظ آیا ہے گو اس کے لغوی معنی "ہمیشگی" کے ہیں۔ لیکن اس سے طویل قیام مراد ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک خدا کا علم اور اس کا کلام دونوں حادث یعنی دونوں مخلوق ہیں۔ اس فرقہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر شئے (چیز) اور حی (زندہ) کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ خدا کو کسی ایسی صفت سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔ جس کا اطلاق "حادث" چیزوں پر بھی ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ قیامت کے دن خدا کا دیدار نہیں ہوگا۔ اور قرآن مخلوق یعنی اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ قائم نہیں۔

فرقہ جہمیہ کے برخلاف فرقہ معتزلہ انسان کو اپنے ارادہ و افعال میں مختار تصور کرتا تھا۔ البتہ وہ خدا کی حیات اور سمع و بصر کی نفی کرتا تھا اور قرآن کو مخلوق و حادث قرار دیتا تھا۔ خلق قرآن کے مسئلہ پر اسی فرقہ کی چیرہ دستیوں کے سبب امام احمد بن حنبل کو تیسری صدی ہجری میں سخت ترین اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ امام ابن تیمیہ نے باری تعالیٰ کی صفات کے سلسلے میں فرقہ جہمیہ اور معتزلہ کے باطل عقائد کے خلاف زبردست مناظرے کئے۔ انہوں نے کہا "راہ صواب وہ ہے جس پر آئمہ ہدایت گامزن تھے اور وہ یہ ہے کہ خدا کو ان صفات سے متصف مانا جائے جو خود خدا نے اپنے لئے بیان فرمائی ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اوصاف الٰہی کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن وحدیث سے سرمو انحراف نہ کرنا چاہیئے اور سلف کے راستہ کی پیروی کرنا چاہیئے جو
اہل علم وایمان تھے۔ کتاب وسنت سے جو معانی سمجھے جاتے ہیں وہ شبہات واوہام کی بنا پر رد
نہیں کئے جاسکتے کیونکہ اس طرح تحریف کی صورت پیدا ہو جائے گی ۔ امام صاحب کے نزدیک
ظاہر قرآن کی نصوص سے جو خدا کے لئے ثابت ہوتا ہے وہ اس جنس سے نہیں ہے جو مخلوق
میں ہے بلکہ یہ صفات واحوال ذات خداوندی کے شایان شان ہیں۔ جو اس کے تنزیہ اور
وحدانیت کے مطابق ہیں۔ اسمی مشابہت حقیقی مشابہت کی مقتضی نہیں ہوتی یعنی نفی حقیقی
مشابہت کی مقصود ہے نہ کہ اسم کی۔ بالفاظ دیگر صفات خداوندی صفات مخلوق کے مشابہ
ومماثل نہیں ہیں۔ نیز جن صفات سے خود خدا نے اپنے کو متصف فرمایا ہے یا رسول اللہ
صلی علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں صفات واحوال کا علم ہوا ہے وہ صفات واحوال خدا کی ذات
کے ساتھ قائم ہیں۔

امام ابن تیمیہ کے دور میں متصوفین کا گروہ خاصی قوت کا حامل تھا۔ کیونکہ سادہ لوح
عوام کا گروہ اور طبقہ امراء ان کا معتقد تھا ان متصوفین کے اختیار کردہ زہد اور ترک
دنیا کے نظریات میں غلو کے ساتھ اشراقی فلسفہ کی آمیزش ہو گئی جس کی وجہ سے حلول
ومسئلہ اوتار کے لئے دروازہ کھل گیا۔ اور وحدت الوجود کا نظریہ اپنی پوری شدت
کے ساتھ زور پکڑ گیا۔ بعض کے خیال میں خدا انسان میں حلول کر گیا تھا۔ بعض وحدت
الوجود کے حامی تھے اور بعض اولیاء اللہ کو کشف وکرامات میں نعوذ باللہ، انبیاء کرام
سے بھی اونچے مقام پر فائز کئے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی متصوفین کا یہ نظریہ تھا کہ
نصوص واحکام کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ ظاہر وباطن
کے اس امتیاز میں "باطنی فرقہ" کے بعض معتقدات کی جھلک نمایاں تھی۔ صوفیاء کے زیر اثر
عوام کا یہ حال تھا کہ وہ سب کچھ پیر ومرشد ہی کو خیال کرتے تھے کہ ان کے وسیلہ سے
نجات ملے گی۔ ساتھ ہی بہت سی خلاف عادت باتیں اور کرامات ان سے منسوب کرتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھے۔ امام صاحب نے اس سب کا رد کیا اور لوگوں کو سلف کے طریقہ پر چلنے کی تلقین کی۔ اور شریعت و طریقت کے درمیان جو تفریق صوفیاء نے پیدا کر رکھی تھی۔ اس کی اصل حقیقت واضح کی اور لوگوں میں اتباع شریعت کا جذبہ بیدار کیا۔

امام ابن تیمیہ قبروں پر جا کر دعائیں مانگنے اور اموات کو وسیلہ بنانے سے منع کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ وفات پائے ہوئے بزرگوں سے جو دعا کرتے ہیں۔ وہ شرک و تربت پرستی کی طرف لے جاتا ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ان کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا جائے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا کہ "یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔" اس مسئلہ میں امام ابن تیمیہ کے مسلک کی علت دراصل شرک و بدعت سے اجتناب ہے۔ آجکل بزرگوں کی قبروں پر جو خرافات ہوتی ہیں۔ وہ امام صاحب کے اندیشہ ہائے دور دراز کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

امام تیمیہ نے حنفی آئمہ کے برخلاف یہ فتویٰ دیا کہ مجبور شخص کی طلاق واقع نہ ہوگی اسی طرح امام صاحب کے نزدیک بحالت نشہ بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ان کے نزدیک بحالت نشہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس پر قصاص واجب نہ ہوگا

امام ابن تیمیہ نے أئمہ اربعہ کے اجماعی نقطۂ نظر کے خلاف طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں یہ فتویٰ دیا کہ اگر کوئی شخص تین طلاق بیک وقت دیتا ہے۔ خواہ ایک دفعہ "تین طلاق" کہے یا تین مرتبہ "طلاق طلاق طلاق" کہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ راقم الحروف کے نزدیک امام صاحب نے اس مسئلہ میں صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کے ذریعہ خود ائمہ اربعہ کے مسلک کی تائید میں تاویل کی جا سکتی ہے (طلاق بالجبر، طلاق بحالت نشہ اور طلاق الثلاثہ کے مسائل

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "مجموعہ قوانین اسلام" جلد دوم "قانون طلاق"

امام صاحب کے نزدیک اگر طلاق بہ صورت قسم (حلف) ہو یا قسم کے حکم میں ہو تو واقع نہ ہوگی۔ صرف کفارۂ یمین یعنی حلف توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہت سی دلیلیں دی ہیں۔ بر بنائے قیاس امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ عدم قصد کی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی اور چونکہ طلاق حلفی کی صورت میں طلاق کا کوئی قصد نہیں ہوتا اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بطور مثال، طلاق حلفی کا یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص قسم کھا کر کہے کہ اگر میں ایسا کروں تو میری بیوی کو طلاق۔

امام صاحب کے نزدیک جو شخص عمداً تارک الصلوٰۃ ہے، اس پر زکوٰۃ صرف نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ اختیارات العلمیہ میں لکھا ہے کہ "یہ مناسب نہیں ہے کہ زکوٰۃ ان لوگوں پر صرف کی جائے۔ جو اللہ کے احکام کی اطاعت میں اس سے مدد نہیں لیتے۔ خدا نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے کہ اس کی اطاعت کرنے والوں کی دستگیری میں صرف کی جائے لیکن اہل حاجت میں سے جو نماز نہ پڑھتا ہو اسے کچھ بھی نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے۔ امام صاحب کا یہ فتویٰ فی الحقیقت غایت درجہ تقویٰ پر مبنی ہے۔ یہ استدلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث مبارکہ پر مبنی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے: من ترک صلوٰۃ متعمداً فقد کفر (جس کسی نے نماز کو عمداً چھوڑا تحقیق اس نے کفر کا ارتکاب کیا) امام صاحب کے نزدیک ایسا شخص ارتکاب کفر کے سبب زکوٰۃ کا مستحق نہ رہا۔ واضح رہے کہ غیر مسلم زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں۔ ان کو عام صدقہ دیا جاسکتا ہے۔

امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ حاجت مند والدین اور اولاد پر بھی صرف کی جاسکتی ہے نیز زکوٰۃ سے ان کے ذمے واجب الادا قرضے بھی ادا کئے جاسکتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ بلا شبہ ایک بلند پایہ مجتہد عالم تھے۔ ان کے بعد گزشتہ چھ صدیوں میں چند اعتبارات سے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے سوائے کوئی شخص ان کا مقابلہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں کر سکتا۔ ان کے فقہی اجتہادات ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسلامی قانون کے مشہور ماخذ۔ نصوص قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ۔ پر بھی بڑی شاندار بحثیں کی ہیں۔ نیز اصول فقہ میں استصواب، مصالح مرسلہ اور بالخصوص سد ذرائع اور شرعی حیلوں کے مسئلہ پر ان کی تحریریں موجودہ پرفتن دور میں بے حد اہمیت رکھتی ہیں۔ آج اسلام کے نام پر تازہ بہ تازہ بدعتیں اور نو بہ نو اختراعیں ہمارے معاشرہ میں جڑ پکڑ چکی ہیں، عقائد میں فساد برپا ہے۔ پوری ملت اسلامیہ انحلال کا شکار ہے۔ اور ہم اسلام کی اصل بنیادی اور ابدی حقیقتوں کو فراموش کر کے فروعات کو عین اسلام قرار دے بیٹھے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ ولی اللہ دھلوی رحمتہ اللہ بتاریخ ۴، شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء بروز بدھ بمقام قصبہ پھلت (دھلی) پیدا ہوئے آپ کا پورا نام شاہ ولی اللہ قطب الدین احمد بن عبدالرحمٰن بن وجیہہ الدین تھا۔ سلسلہ نسب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ ابتدا میں فارسی کی کتابیں اور بعض مختصرات پڑھیں۔ بعد ازاں علوم دین کی طرف متوجہ ہوئے ۱۵ سال کی عمر میں متداول علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ مزید ۱۲ سال تک احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصول فقہ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد فقہا محدثین کے طریقے کو اختیار کیا ۱۱۴۳ھ میں مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا وہاں تقریباً دو سال قیام کے دوران شیخ ابو طاہر مدنی سے جو اپنے وقت کے بڑے محدث شمار ہوتے تھے، دوبارہ کتب احادیث پڑھیں واپس آ کر حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے جن کا سلسلہ حضرت مجدد الف ثانی تک دو ایک واسطوں سے پہنچتا ہے، سند حدیث لی۔ ساری زندگی قرآن وحدیث اور فقہ کی تصنیف و تالیف

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں گزاری۔ اور ۹، محرم ۱۱۷۶ھ بمطابق ۲۱، اگست ۱۷۶۲ء کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔

شاہ صاحب قرآن و حدیث کے بعد اجماع کو علم کی ایک اعلیٰ صورت اور شرعی احکام میں یقین پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

شاہ صاحب عوام الناس کے لئے تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں۔ لیکن علماء کے حق میں اجتہاد کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ شاہ صاحب ایک فقیہہ محدث کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی احادیث و آثار اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آراء دونوں کو پیش نظر رکھتے ہیں اور جس مجتہد کے قول یا رائے کو احادیث و آثار سے صریحاً قریب پاتے ہیں۔ اسے اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو مذاہب اربعہ تک محدود رکھتے ہیں۔ ان کی طبیعت کا رجحان امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی فقہ کی طرف زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ گو عملاً وہ حنفی مذہب کی طرف راغب ہیں۔ تاہم یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شاہ صاحب کا رجحان طبع اجتہاد کی طرف ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک شاہ صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ فقہی احکام کے اسرار کو بیان کرنا ہے۔ اور اس فن میں "حجتہ اللہ البالغہ" ان کی مشہور ترین کتاب ہے۔ اس موضوع پر وہ ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

---

toobaa-elibrary.blogspot.com

ساتواں دور

فقہ دورِ حاضر میں

چودہویں صدی ہجری میں مسلمانوں پر انتہائی ابتلاء کا دور گزرا حتیٰ کہ ساری دنیا میں صرف چند آزاد مسلمان مملکتیں رہ گئیں۔ باقی سب کسی نہ کسی طرح استعماری طاقتوں کا نشانہ بنیں اور ان کے زیرنگیں یا زیرِ اثر چلی گئیں۔ خلافت کا ادارہ ختم ہوگیا اور مسلمان تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئے۔ لیکن اللہ کی مشیت کو شاید مسلمانوں کی حالت زار پر رحم آگیا کہ دیکھتے دیکھتے اس صدی کے آخر تک پچاس سے زائد اسلامی حکومتیں دنیا کے نقشہ پر اُبھریں۔ مشرق وسطیٰ، افریقہ اور ایشیا کے بعض اسلامی ممالک میں زمین نے اپنے خزانے مسلمانوں کے لئے اگلنے شروع کئے۔ اور معدنی دولت بالخصوص پٹرول کے ذخائر کے سبب مسلمانوں میں پھر سے سیاسی بیداری اور اقتصادی استحکام کی شکل دکھائی دینے لگی۔ اِدھر مغرب کی مادی ترقی نے اہل مشرق کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر دی اور ان کے فکر کے پیمانوں کو بدل کر رکھ دیا جس کا لازمی نتیجہ علمی میدان میں ترقی کی شکل میں نمودار ہوا۔ چنانچہ عہد حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر فقہ اسلامی میں اجتہاد کی اہمیت و افادیت کا احساس پھر سے اجاگر ہوا۔ اس کی سب سے پہلی آواز چودہویں صدی کے ربع اوّل میں ۱۹۱۷ء میں ترکی میں سنائی دی۔ مگر یہ آواز مغربی اثر و نفوذ کے تحت اسلام کے بجائے لادینیت (سیکولرازم) میں ڈوبی ہوئی تھی۔

مصر :- چند سال بعد اسلامی قانون سازی کی جدید تحریک شروع ہوئی جس میں اوّلیت کا شرف مصر کو حاصل ہوا۔

۱۹۲۵ء میں حکومت مصر نے ایک کمیشن مقرر کیا جس میں شیخ الازہر رئیس المحکمۃ العلیا الشرعیہ اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

مفتی مصر وغیرہ شامل تھے. اس کمیشن نے اسی سال عائلی قانون سے متعلق چند امور کے بارے میں بطور اصلاح اپنی سفارشات پیش کیں جن کو بحیثیت قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون سے قبل مصر میں ضابطہ تنظیم عدالت ہائے شرعیہ مجریہ ۱۹۱۰ء کی دفعہ ۲۸۰ کے تحت شخصی معاملات میں امام ابو حنیفہ کے "مفتی بہ" اقوال پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ لیکن ۱۹۲۵ء کے اس قانون کے ذریعہ اس دفعہ میں ترمیم کر دی گئی۔ اور نان نفقہ، عدت اور مفقود الخبری کے مسائل میں امام شافعی کے مذہب کے مطابق عمل درآمد کیا جانے لگا. اس قانون کے تحت حسب ذیل اہم تبدیلیاں کی گئیں۔

۱۔ حنفی فقہ کی رو سے عورت شوہر سے زمانہ گزشتہ کے نفقہ کا مطالبہ نہ کر سکتی تھی الا یہ کہ وہ مطالبہ عدالت کی کسی ڈگری کی بناء پر ہو۔ یا باہم ایسی کوئی قرارداد موجود ہو۔ قانون ہذا کے ذریعہ شافعی فقہ کی پیروی میں زوجہ کے نفقہ کو ایک قرض قرار دیا گیا اور جس وقت سے شوہر انکاری ہو قابل ادا قرار دیا گیا۔

۲۔ اسی طرح اگر مرد عورت کو نفقہ دینے سے عاجز ہو تو عورت کو طلب تفریق کا اختیار دیا گیا نیز عورت کو شوہر کے مستقل مرض کے سبب جو لاعلاج ہو یا جس کے اچھے ہونے میں ایک طویل عرصہ درکار ہو مالکی مذہب کے اتباع میں طلب تفریق کا اختیار دیا گیا۔

۳۔ اسی طرح چار سال تک شوہر کے مفقود الخبر رہنے کی صورت میں عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا۔

اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں حکومت مصر نے ایک قانون منظور کیا جس کے تحت طلاق بحالت نشہ اور طلاق بالجبر کو باطل اور طلاق بالکنایہ کو غیر نافذ قرار دیا گیا الا یہ کہ اس کی نیت طلاق دینے کی ہو۔ نیز سوائے طلاق قبل دخول اور طلاق علی المال یعنی خلع اور تین طلاق کے جن کی تکمیل تین طہروں میں کی گئی ہو ہر طلاق کو طلاق رجعی قرار دیا گیا نیز شوہر کے ایک سال سے زائد مفقود الخبر رہنے یا تین سال سے زائد قید کی صورت میں زوجہ کو طلب تفریق کا حق دیا گیا۔ نسب اولاد، نفقہ، عدت، مہر، حضانت (CUSTODY OF CHILDERN) وغیرہ کے بارے میں بھی قانون سازی کی گئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۹۴۳ء میں قانون میراث، ۱۹۴۶ء میں قوانین وقف اور وصیت نافذ کئے گئے جس کے بعض احکام حنفی مذہب سے مختلف ہیں اور آج صورت یہ ہے کہ مصر میں عائلی قانون "الاحوال الشخصیہ" کے نام سے دفعہ وار مدون شکل میں موجود ہے۔

دیوانی قوانین کی تدوین کے لئے ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں دو کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔ آخری کمیٹی ڈاکٹر عبد الرزاق سنہوری کی زیر قیادت قائم کی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے دو سال میں اپنا کام مکمل کر کے حکومت کو رپورٹ پیش کر دی۔ اس دوران ملک کے سیاسی حالات میں تبدیلی واقع ہوئی تا آنکہ شاہ فاروق کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور جنرل نجیب کی زیر کمان ملک میں فوجی انقلاب آیا۔ بعد ازاں جمال عبد الناصر ملک کے صدر ہوئے۔ اس زمانے میں اسلامی قانون سازی کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ البتہ صدر انور السادات کے زمانے میں عالمی اسلامی تحریک کے دباؤ کے تحت مصر میں شرعی قوانین نافذ کرنے کے لئے ملکی پارلیمان میں دو کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ ایک قوانین حدود اور قصاص و دیت کی تدوین کے لئے اور دوسری کمیٹی دیوانی قوانین کی تدوین کے لئے ان دو کمیٹیوں نے اپنا کام مکمل کر کے پارلیمان میں مسودات قوانین پیش کر دیئے۔ بعد ازاں دو مزید کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ جو آج کل ان مسودات قوانین پر غور کر رہی ہیں۔ دیوانی قوانین کا مسودہ ایک ہزار چار سو دفعات پر مشتمل ہے۔ چار سو دفعات کی نظر ثانی کا کام مکمل ہو چکا ہے یہ بات مجھے صوفی ابو طالب نیشنل اسمبلی مصر کے صدر نے ۱۰؍ جون ۱۹۸۱ء کو راقم الحروف سے دورہ مصر میں ملاقات کے دوران بتائی تھی۔

شام

شام میں "قانون المدنی" کے نام سے ۱۸؍ مارچ ۱۹۳۱ء سے "مجلۃ الاحکام العدلیہ" نافذ العمل ہے۔ البتہ عائلی قانون میں ۱۳۳۶ھ میں بر بنائے ضرورت چاروں مذاہب فقہ سے احکام اخذ کئے گئے اور بغرض اصلاح انہیں قانون کی شکل دی گئی۔ ان احکام میں عورت کو تنگی نفقہ، اور شوہر کے مرض مثلاً جنون، جذام اور سل وغیرہ کے لاحق ہو جانے پر فسخ نکاح کا اختیار دیا گیا۔ نیز شوہر کے عام

toobaa-elibrary.blogspot.com

حالات میں چار سال تک اور زمانہ جنگ میں ایک سال تک مفقود الخبر رہنے کی صورت میں فسخ نکاح کا اختیار دیا گیا۔

اس کے بعد شام کی وزارت عدل نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو پروفیسر طنطاوی کو مسلمانوں کے شخصی قانون کی تدوین (CODIFICATION) کے کام پر مامور کیا۔ پروفیسر موصوف نے ۱۹۴۸ء میں ایک مسودہ قانون حکومت کو پیش کر دیا۔ جسے حکومت نے ۲۳ جولائی ۱۹۴۹ء کو پانچ افراد پر مشتمل ایک کمیشن کے حوالے کر دیا جس کے ایک رکن پروفیسر موصوف بھی تھے۔ اس کمیشن نے پروفیسر موصوف کے تدوین کردہ قانون پر نظر ثانی کی۔ اس کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کو ایک دوسرے کمیشن کا تقرر عمل میں آیا جس کو یہ کام تفویض کیا گیا کہ مذکورہ قانون پر توضیحی نوٹ لکھے۔ اس کمیشن نے اپنا کام مکمل کر کے وزارت عدل کو پیش کر دیا۔ اس کارروائی کے بعد حکومت نے اس کو قانونی شکل دینے سے قبل شائع کر دیا چونکہ اس میں بعض امور میں حنفی مذہب کے خلاف قانون سازی کی گئی تھی اس لئے اس کی مخالفت کی گئی بالآخر بعض دفعات پر نظر ثانی کے بعد ۱۷ ستمبر ۱۹۵۳ء کو "قانون الاحوال الشخصیۃ" کے نام سے شخصی قانون نافذ کر دیا گیا۔

اس قانون کے ذریعہ اہلیت نکاح کی عمر کا تعین کر دیا گیا جو لڑکی کے لئے ۱۷ سال اور لڑکے کے لئے ۱۸ سال ہے لیکن اگر لڑکی ۱۳ سال کی ہو اور لڑکا ۱۵ سال کا ہو اور دونوں نکاح کرنا چاہئیں اور ان کے ولی معترض نہ ہوں تو قاضی انہیں نکاح کرنے کی اجازت دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ جسمانی طور سے اس کے متحمل ہو سکتے ہوں۔ ایسی صورت میں نکاح کے لئے قاضی سے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا۔ اجازت کی درخواست کے ساتھ صداقت نامہ طبی (عمر اور صحت کے بارے میں) دینا لازمی قرار دیا گیا ہے

اسی طرح نکاح ثانی کے لئے بھی اجازت ضروری قرار دی گئی البتہ یہ اجازت مرد کی مالی استطاعت پر موقوف کر دی گئی ہے۔

طلاق بحالت نشہ، طلاق بالکنایہ، طلاق رجعی وغیرہ کے احکام میں مصری قانون کے مطابق

toobaa-elibrary.blogspot.com

تدوین کی گئی چنانچہ ایک وقت میں تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دینے کی صورت میں ایک ہی تسلیم کی گئی اور طلاق بالمال یعنی خلع اور طلاق متم بالثلاث کے علاوہ باقی تمام طلاقوں کو طلاق رجعی کے حکم میں داخل کیا گیا اسی طرح مرد کے عدم قدرت نفقہ کی صورت میں امام شافعی و امام حنبل کے مذاہب کے مطابق عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا۔

نسب اولاد کے ضمن میں امام ابوحنیفہ کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے کہ حمل کی مدت دو سال تک ہو سکتی ہے مدت حمل کو ایک سال شمسی بطور حد کے مقرر کیا گیا۔

وصیت کے احکام میں بھی کئی تبدیلیاں کی گئیں۔ چنانچہ مالکی مذہب کے مطابق معدوم شخص کے لئے وصیت کو جائز قرار دیا گیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے حق میں وصیت کی گئی ہو اور وہ شخص وصیت کرنے والے کا قاتل ہو تو اس صورت میں وصیت کے تحت اس شخص کو کچھ حصّہ نہ ملے گا۔ وصیت کے باب میں اہم ترامر یہ ہے کہ ابن حزم کے مذہب کے مطابق اولاد محروم کے لئے یعنی ایسی اولاد جس کا باپ اس کے دادا کی حیات میں فوت ہو جائے وصیت کرنا واجب قرار دیا گیا۔ جس کی مقدار اتنی ہونی چاہیئے جتنی کہ اس کے باپ کو ملتی اگر وہ دادا کی موت کے وقت بقید حیات ہوتا۔

وراثت کے سلسلے میں بھی شامی قانون میں متعدد تبدیلیاں کی گئیں۔ چنانچہ مالکی مذہب کے مطابق قاتل مقتول کے ترکے میں وارث نہیں ہو سکتا اسی طرح حضرت زید و ابن مسعود کے اقوال کی متابعت میں بھائی دادا کے ساتھ متوفی کے ورثے میں حقدار قرار دیا گیا۔ اور وراثت حمل صرف اس صورت میں معتبر قرار دی گئی جبکہ مدت حمل ایک سال ہو۔

تیونس

تیونس میں عائلی قانون سازی کی ابتداء ۱۳ اگست ۱۹۵۶ء کو ایک فرمان کے ذریعہ ہوئی جس کا نفاذ یکم جنوری ۱۹۵۷ء سے ہوا۔ تیونس کے عائلی قانون کے تحت مرد اور عورت کی عمر نکاح کا تعین کر دیا گیا جو بالترتیب ۱۸ اور ۱۵ سال ہے۔ البتہ قاضی کو اس امر کا اختیار دیا گیا ہے کہ اس عمر

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے پہلے بھی شادی کی اجازت دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ طرفین یا ان میں سے کوئی ایک رجیبی بھی صورت ہو) اپنے بلوغ کا ثبوت پیش کریں۔ تعداد ازدواج کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا گیا۔ بصورت خلاف ورزی ایک سال قید یا دو لاکھ چالیس ہزار سکہ رائج الوقت (تقریباً سات ہزار پانچ سو روپے پاکستانی) بطور جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ تیونس کے قانون کی رو سے شوہر کو حق طلاق استعمال کرنے کے لئے عدالت سے رجوع کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ عدالت کی تصدیق کے علاوہ کوئی طلاق جائز نہیں ہوسکتی۔ شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی صورت میں بہ زمانہ جنگ دو سال بعد عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا ہے لیکن عام حالات میں مدت کا انحصار قاضی کی رائے پر چھوڑ دیا گیا۔

تیونس کے عائلی قانون میں مالکی اور حنفی فقہ کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

لبنان

ترکی کی طرح لبنان میں بھی دولت عثمانیہ کا مرتب کردہ "مجلۃ الاحکام العدلیہ" نافذ تھا لیکن فرانس کے زیر اثر ہونے کی بنا پر آہستہ آہستہ اس کی جگہ دوسرے قوانین نے لے لی۔ اور بالآخر ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء سے ایک نئے دیوانی قانون پر عملدرآمد شروع ہوا جس کا مسودہ پروفیسر لوئیس نے تیار کیا تھا۔ اس قانون کے ذریعہ مجلہ کے تمام احکام اور وہ احکام شرعیہ جو اس قانون کے خلاف یا ناموافق تھے منسوخ کر دیئے گئے جس کے نتیجہ میں بجز چند دفعات کے مجلہ کے تمام احکام منسوخ ہوگئے لیکن مسلمانوں کے احتجاج پر حکومت لبنان نے بذریعہ آرڈی ننس مورخہ ۴، نومبر ۱۹۴۲ء سنی اور شیعہ مذہبی عدالتوں کی تنظیم کی جن کو شخصی معاملات مثلاً نکاح، طلاق، مہر وغیرہ کی سماعت کا اختیار دیا گیا۔ نیز شخصی معاملات میں اپیلیں سننے کا حق عدالت عالیہ سے لے کر شرعی عدالت اپیل (مرافعہ) کو دے دیا گیا جو نئی قائم کی گئی تھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عراق

عراق کی وزارت انصاف نے ۱۹۴۷ء میں "لائحۃ الاحوال الشخصیۃ" کے نام سے ایک قانون منظور کیا۔ لیکن اس میں شخصی قانون سے متعلق تمام احکام جمع نہیں ہیں۔ ان احکام کا بڑا حصہ شیعہ مذہب پر مبنی ہے اور سنیوں کے لئے جو قانون وضع کیا گیا ہے وہ قدری پاشا کے مرتب کردہ قانون کی تلخیص معلوم ہوتا ہے جس کی تمام بنیاد امام ابوحنیفہ کے مذہب پر رکھی گئی ہے۔

ایران

انقلاب مشروطیت کے بعد مظفرالدین شاہ قاچار نے ایران میں آئینی حکومت کا اعلان کیا اور ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں ایک فرمان کے ذریعہ آئینی حکومت قائم ہوگئی۔ اس حکومت کی مجلس شوریٰ نے ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء کو اپنا قانون اساسی منظور کیا۔ مجلس ملی ایران نے شاہ پہلوی کے برسراقتدار آنے کے بعد ۱۹۲۸ء میں ملک میں نئے زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر قانون سازی کا آغاز کیا اور قضائی، دیوانی، فوجداری، رجسٹرائی اور فرہنگی واقتصادی قوانین وضع کئے۔ لیکن یہ قوانین زیادہ تر فرانسیسی قوانین سے متاثر تھے۔

۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں مسلمانوں کے قوانین سے متعلق بعض قانونی اصلاحات کی گئیں۔ لیکن بعد میں ۱۹۶۷ء میں ایک مبسوط قانون حمایت خانوادہ (FAMILY PROTECTION LAW) کے نام سے منظور کیا گیا جس میں نکاح، عمر نکاح، رجسٹری نکاح، نکاح ثانی اور طلاق وغیرہ کے امور میں کم و بیش انہی بنیادوں پر قانون سازی کی گئی جو اس وقت متعدد مسلم ممالک میں رائج ہیں جس کے تحت منجملہ دیگر امور، بدون اجازت عدالت طلاق غیر نافذ قرار پائی۔

ایران کے حالیہ اسلامی انقلاب کے نتیجے میں شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کو ۱۹۷۹ء میں ملک چھوڑنا پڑا اور امام خمینی کی زیر قیادت وہاں نیا اسلامی نظام رائج ہو رہا ہے جس میں قوانین حدود اور قصاص و دیت کا نفاذ، حجاب شرعی کا اہتمام اور بلاسود بنکاری کا اجراء وغیرہ جیسے انقلابی اقدامات

toobaa-elibrary.blogspot.com

کئے جا چکے ہیں. مزید اسلامی قوانین کا نفاذ زیر عمل ہے۔

سنگاپور

سنگاپور کیلنتن وغیرہ میں بھی اس جانب قدم بڑھایا گیا چنانچہ سنگاپور میں ۳۰ اگست ۱۹۵۷ء کو مسلم آرڈی ننس نافذ کیا گیا جس کے تحت شرعی عدالتیں قائم کی گئیں جنہیں طلاق رجسٹر کرنے کا اختیار دیا گیا. مسلم میرج اینڈ ڈائی وورس رولز مجریہ ۱۹۵۹ء کے تحت یہ صراحت کر دی گئی کہ رضامندی کی صورت میں ہر دو فریق مقررہ فارم پر طلاق کی حلفیہ درخواست پیش کریں گے اور طلاق کے رجسٹر پر دستخط کریں گے۔ اگر طلاق کے سلسلے میں نزاع ہو یعنی عورت تفریق کی طالب ہو تو اس کے تصفیہ کا اختیار شرعی عدالتوں کو دیا گیا. شرعی عدالتوں میں وکلاء کو پیروی کا اختیار دیا گیا. ان کے فیصلوں کی اپیلوں کی سماعت کے لئے ایک اپیل بورڈ قائم کیا گیا جس کے ارکان کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

برصغیر ہندوپاکستان

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لینے کے بعد جب عدالتی نظام بحال کیا تو انہوں نے بذریعہ قانون یہ اعلان کر دیا کہ وہاں کے باشندوں کو اپنے شخصی معاملات یعنی شادی طلاق، وراثت، وصیت وغیرہ میں اپنے اپنے مذہبی قانون کے مطابق عمل کرنے میں پوری آزادی حاصل ہوگی. چنانچہ عدالتوں کے ذریعہ بڑی حد تک شخصی معاملات میں اسلامی قانون رائج اور نافذ رہا۔ البتہ زمانہ کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کے پیش نظر ۱۹۲۹ء میں قانون امتناع ازدواج اطفال کے ذریعہ نابالغوں کی شادیوں پر پابندی عائد کر دی گئی نیز ۱۹۳۹ء میں قانون انفساخ ازدواج مسلمانان منظور کیا گیا جس کے تحت مسلمان عورتوں کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے کہ شرع کے مطابق کسی بھی سبب کی بنا پر انہیں طلب تفریق کا حق حاصل

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوگا۔ چند وجوہ و اسباب کو مدون کر دیا گیا جو بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ عورت یا مرد کس فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہے تمام مسلمانوں پر نافذ العمل قرار دیا گیا۔ اس قانون کے تحت اہم ترین امر امام مالک کے مذہب کی متابعت میں عورت کا فسخ نکاح کا وہ حق تھا جو اس کے شوہر کے چار سال تک مفقود الخبر رہنے کی صورت میں اس کو دیا گیا تھا۔

پاکستان

قیام پاکستان کے بعد ۴ اگست ۱۹۵۵ء کو حکومت پاکستان نے سات افراد پر مشتمل عائلی قوانین کے سلسلے میں ایک کمیشن مقرر کیا جس کے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین تھے۔ موصوف کی ناگہانی وفات کے بعد پاکستان کے چیف جسٹس میاں عبدالرشید (مرحوم) ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو اس کمیشن کے صدر مقرر کئے گئے اس کمیشن نے اپنی رپورٹ جون ۱۹۵۶ء میں حکومت کو پیش کر دی۔ جو ۳۰ جون ۱۹۵۶ء کے گزٹ میں شائع کی گئی۔ علماء کی سخت تنقید کے پیش نظر اس رپورٹ کو ایک عرصے تک قانون کی شکل نہ دی جاسکی۔ ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ایک خاموش فوجی انقلاب کے ذریعہ دستوری حکومت ختم ہوگئی۔ اور ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ ۱۵ جولائی ۱۹۶۱ء کو انجمن خواتین پاکستان کے اصرار پر صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اس کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ملک میں عائلی قوانین آرڈی ننس نافذ کر دیا۔ اس آرڈی ننس میں نکاح کا رجسٹریشن لازمی قرار دیا گیا۔ دوسری شادی پر حکومت کے مقررہ کردہ ادارے سے اجازت کا حصول لازمی قرار دیا گیا ہر قسم کی طلاق کو طلاق رجعی کے حکم میں داخل کر دیا گیا اور اس کے نفاذ کے لئے یونین کونسل کے چیئرمین کو طلاق کی اطلاع دینے کے بعد سے تین ماہ کی مدت مقررہ کر دی گئی۔

وراثت کے باب میں یتیم پوتے پوتی اور نواسے، نواسی کے حق کو جو پہلے محروم الارث قرار پاتے تھے۔ دادا اور نانا کے ترکے میں اپنے باپ کے حصّہ کے بقدر وارث قرار دیا گیا۔ مہر کے باب میں بھی یہ تصریح کر دی گئی کہ اگر نکاح نامے یا معاہدۂ شادی میں حق مہر کی ادائیگی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے طریقہ کار کے متعلق کوئی تفصیل موجود نہ ہو تو کل مہر، مہر معجل قرار پائے گا۔

ملک میں ادارہ تحقیقات اسلامی وجود میں آیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی ان اداروں نے اسلامی قانون کے ضمن میں تھوڑا بہت کام کیا۔ لیکن حکومت وقت کی سرد مہری اور لاتعلقی کے سبب اسلامی قانون سازی کا کام مؤثر طور پر آگے نہ بڑھ سکا۔

البتہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء میں جنرل محمد ضیاء الحق کی زیر قیادت جو فوجی حکومت برسراقتدار آئی اس نے اسلامی قوانین کے نفاذ کو اوّلیت دی چنانچہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد سے تادم تحریر (۱۰ نومبر ۱۹۸۱ء) متعدد اقدامات کئے گئے جن میں اسلامی قانون سازی کے ضمن میں قوانین حدود قانون زکوٰۃ اور رمضان آرڈی ننس کا نفاذ قابل ذکر ہے۔

اجتہاد کا دور

یہ دور اجتہاد کا دور ہے لیکن بدقسمتی سے "جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں" کے مصداق عالم اسلام کے نابغۂ روزگار علماء ایک ایک کر کے اٹھ گئے اور اس وقت جو علماء نظر آتے ہیں ان میں شاید ہی کوئی عالم انفرادی طور پر درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو جس میں اجتہاد کی تمام شرائط و صفات بدرجۂ اتم پائی جائیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ کل عالم اسلام میں فقہاء عابدین کی ایک جماعت ایسی ضرور موجود ہو کہ وہ امت مسلمہ کے لئے دور حاضر کے اجتہادی مسائل کا اپنی اجتماعی فکر و تفقہ فی الدین کے ذریعہ مناسب حل تلاش کرے جس کا منہاج وہی ہو جو اسلام کے صدر اول میں تھا اور جس میں شریعت کے تقاضوں سے ہم آہنگی ہو اور اس کی روح جاری و ساری ہو اور جس کے فیصلوں پر امت مسلمہ کو اعتماد ہو یہ کام سارے عالم اسلام کے ممتاز فقہاء عابدین کی جماعت ہی انجام دے سکتی ہے۔

الحمد للہ کہ اس سلسلہ میں اجتماعی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے سب سے پہلے اس احقر نے مؤتمر عالم اسلامی کی عالمی کانفرنس منعقدہ ۱۹۶۷ء بمقام کراچی میں مسلم فیملی لاز پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک مسلم ورلڈ جورسٹس کمیشن کے قیام کی تجویز پیش کی تھی (ملاحظہ ہو مارننگ نیوز کراچی، ۵ جولائی ۱۹۶۷ء) اس تجویز کا اعادہ احقر نے اپنی تقریر مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۷۸ء بمقام چارلسٹن ویسٹ ورجینیا (امریکا) میں امریکا اور کینیڈا کی مسلم انجمنوں کے وفاق کے ستائیسویں سالانہ کنونشن کے موقع پر ایک مجلس مذاکرہ میں کیا۔ اس کی بازگشت بمقام فیض (مراکش) میں ہونے والی اسلامی وزراء خارجہ کی کانفرنس منعقدہ مئی ۱۹۷۹ء میں سنائی دی جس میں مسلم ماہرین قانون کی ایک بین الاقوامی آرگنائزیشن کے قیام کی سفارش کی گئی ۷، اکتوبر ۱۹۷۹ء کو پاکستان میں منعقد ہونے والے شریعت سیمینار میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اس تجویز کو پیش کیا کہ انٹرنیشنل اسلامک لاء کمیشن قائم کیا جائے اس تجویز کو "اعلان اسلام آباد" میں شامل کیا گیا۔ بعد ازاں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جنوری تا ۲۹ جنوری میں اس تجویز کو منظور کیا گیا جو "اعلان مکہ" میں موجود ہے اس کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل بھی کی گئی۔ اس کمیٹی نے اپنے متعدد اجلاسوں میں اس تجویز کو مفصل قانونی شکل دے دی ہے۔ جو امید ہے کہ آئندہ منعقد ہونے والی اسلامی وزراء خارجہ کانفرنس میں منظور ہو جائے گی۔ اور اس طرح بین الاقوامی اسلامی کمیشن کی تشکیل عمل میں آجائے گی۔ راقم الحروف کو بحیثیت چیئرمین، اسلامی نظریاتی کونسل اس مسودہ کو دیکھنے اور رائے دینے کا موقع ملا ہے۔ امید ہے کہ مجوزہ اقدامات کے رو بہ عمل آنے سے عالم اسلام کی ایک اہم ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اور ہم مستقبل قریب میں ایک بین الاقوامی اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور فقہ اسلامی کی تشکیل نو کے سلسلہ میں وقت کی اہم ترین اور حقیقی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ لیکن ہم اس حقیقت سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتے کہ عہدِ حاضر میں بہت سے ایسے جدید مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا حل صرف ایک ہی فقہ کی تنگنائے میں رہ کر تلاش نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے ہمیں دوسرے فقہی مذاہب کو بھی دیکھنا ہو گا۔ اور اس مسئلہ کا حل جس فقہی مذہب میں ملے ہمیں اس کو قبول کرنا ہو گا۔ اس اصول کو تقریباً تمام اسلامی ممالک اختیار کر چکے ہیں اور قانون سازی کر رہے ہیں جس کا مختصر ذکر سطور ما قبل میں کیا جا چکا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مجمع الفقہ الاسلامی

(اسلامی فقہ اکیڈمی)

مجمع الفقہ الاسلامی (اسلامی فقہ اکیڈمی) کی تاسیس کا فیصلہ تیسری اسلامی سربراہ کانفرنس منعقدہ جنوری ۱۹۸۱ء بمقام طائف میں کیا گیا تھا۔ بعدازاں ماہرین کا اکیڈمی کے قیام کے لئے ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں اس کا دستوری خاکہ تیار ہوا، جس کی منظوری اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس منعقدہ اگست ۱۹۸۲ء بمقام میامی دی گئی۔ البتہ اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اس منظور شدہ خاکہ میں اگر کوئی ممبر ملک ترمیمات پیش کرنا چاہے تو اسے اکیڈمی کے تاسیسی اجلاس میں پیش کیا جاسکے گا۔ چنانچہ بتاریخ ۷ تا ۹ جون ۱۹۸۳ء مکہ معظمہ میں اکیڈمی کا تاسیسی اجلاس منعقد ہوا، جس کا افتتاح مملکت سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد بن عبدالعزیز نے کیا۔ اس اجلاس میں راقم الحروف کو حکومت پاکستان کے مندوب کی حیثیت سے شرکت کا موقع ملا۔ اجلاس میں پاکستان، تیونس، عراق، سعودی عرب اور بعض دیگر ممالک کی پیش کردہ ترمیمات پر غور بھی کیا گیا اور ان میں سے بیشتر ترمیمات باتفاق رائے منظور کر لی گئیں اور اکیڈمی کا دستور منظور کیا گیا۔ اس دستور کی منظوری کے ساتھ ہی فقہ اکیڈمی کا قیام باقاعدہ طور پر عمل میں آگیا۔ اس اجلاس میں ۳۹ مسلم ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی۔

اسلامی سربراہ کانفرنس کی قرارداد کی روشنی میں اسلامی فقہ اکیڈمی کا قیام ایک تاریخی اقدام ہے۔ اس اکیڈمی کے قیام سے اسلامی فکری وحدت کے تعلق سے اسلامی یک جہتی کو حقیقی استحکام حاصل ہوگا، جو امت کے اجتماعی تصور کا تقاضہ اور وقت کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک اہم ضرورت ہے۔

اس وقت فقہ و افتآ کے میدان میں تقریبًا ہر مسلم ملک میں سرکاری سرپرستی میں کسی نہ کسی انداز اور نہج میں کام ہو رہا ہے اور اس مقصد کے لئے مختلف مسلم ممالک نے اس قسم کے ادارے بھی تشکیل دیئے ہیں۔ مثلاً مصر میں الازہر کے تحت مجمع البحوث الاسلامیہ اور مجلس الاعلیٰ للشؤن الاسلامیہ کے تحت لجنۃ الحقوق (قانون کمیشن) سعودی عرب میں رابطۃ العالم الاسلامی کے تحت مجمع الفقہی الاسلامی اور پاکستان میں مجلس الفکر الاسلامی (اسلامی نظریاتی کونسل) نیز اردن، شام، مراکش اور لبنان میں دارالافتار۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ادارے فقہ و افتار کی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ان کی سرگرمیوں کا دائرۂ عمل اپنے ملک تک محدود ہے۔ چنانچہ ایک عرصہ سے اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے، جس میں تمام اسلامی ممالک کے فقہآ (جورسٹس) مشترکہ غور کر کے اہم مسائل پر رائے دیں تاکہ ان کی رائے محض انفرادی یا کسی ایک ملک کی حد تک نہ ہو بلکہ عالمِ اسلام کی اجتماعی رائے ہو۔

ہمارے فقہی نظام میں کم و بیش ایک ہزار سال سے ادارۂ اجماع کا وجود نہ رہا۔ چنانچہ عہد حاضر میں جب اجتہاد کے حق میں رائے بلند ہوئی تو بجا طور پر انفرادی اجتہاد کے بجائے اجتماعی اجتہاد پہ زور دیا گیا۔ چنانچہ پاکستان میں جو شریعت سیمینار ۷ تا ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں منعقد ہوا تھا اس میں راقم الحروف سمیت متعدد مقررین نے اس پہ زور دیا تھا۔

فقہ اسلامی کے مآخذ میں "اجماع" کو تیسرے مآخذ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اگرچہ یہ مآخذ ثانوی حیثیت کا ہے تاہم کسی مسئلہ پہ اس عہد کے فقہآ کا اتفاق رائے (اجماع) اس مسئلہ میں عمل کو واجب کر دیتا ہے اور یہ ایک فقہی قاعدہ ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس مسئلہ کی اجماعی حیثیت اس وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک دوسرا اجماع اس کو منسوخ یا تبدیل نہ کر دے۔

فقہ اسلامی میں عبادات و معاملات دونوں سے متعلق بہت سے مسائل ایسے ہیں جو اجماعی یا مفتیٰ بہ ہیں۔ اس وقت ان مسائل پر اسی حیثیت سے عمل کیا جارہا ہے لیکن اب تجارت وصنعت اور بعض دیگر معاملات میں جو جدید صورتیں اور مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کی بنا پر ہماری قدیم فقہ میں ہر بات کی صراحت نہیں ملتی۔ اس اکیڈمی کے قیام سے بجا طور پر یہ امید وابستہ کی جاسکتی ہے کہ اب امّت مسلمہ کا ایک ایسا ادارہ وجود میں آگیا ہے جس کے فیصلوں کو (جو اتفاق رائے یا ممبران کی کم از کم دو تہائی تعداد سے صادر ہوں گے) اجماعی حیثیت حاصل ہو گی اور اسی اعتبار سے ان فیصلوں کو قبولیت عام بھی حاصل ہو گی۔

اکیڈمی اپنے آئندہ ہونے والے اجلاس میں جو غالباً نومبر ۱۹۸۳ء میں منعقد ہو گا اپنا لائحہ عمل مرتب کرے گی۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا غالباً بے جا نہ ہوگا کہ یہ اکیڈمی عبادات کے تعلق سے کسی سوال کو اپنے یہاں زیر بحث نہ لائے کیونکہ عبادات کا تعلق عقائد سے ہے اور عقیدہ میں اجتہاد درست نہیں۔ چنانچہ اکیڈمی کو چاہیئے کہ اپنے فتاویٰ کو معاملات تک محدود رکھے۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اکیڈمی فتویٰ کے لئے خود کو کسی ایک فقہ کے اصول ونصوص میں محصور نہ کرے بلکہ جس اصول اور نص کو کتاب وسنت سے قریب تر پائے اور عہد حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کا مؤثر ذریعہ ہو، اس کو اپنے فتوے کی بنیاد قرار دے اور جو فتویٰ دیا جائے اس کے ساتھ پوری بحث مع تمام حوالہ جات مکمل متن کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع کی جائے۔

اکیڈمی اپنے لائحہ عمل کے لئے ترجیحات قائم کرے کہ کن مسائل کو اولیت دی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جائے، مثال کے طور پر :-

الف - جدید معاشی مسائل کو سب سے پہلے زیر بحث لایا جائے اور سب سے زیادہ اہمیت دی جائے - رائج الوقت اسلامی بینکاری کے کاروبار پر سب سے پہلے بحث کی جائے اور جدید اسلامی بینکاری میں رائج شدہ بعض غیر اسلامی معمولات (Practices) کے بارے میں شرعی نقطہ نظر سے فیصلے کئے جائیں - (۱)

ب - اکیڈمی کو اسلام کے زرعی نظام کے بارے میں بھی ایک رپورٹ کی تیاری پر متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ موجودہ دور میں زمینداروں اور جاگیرداروں کے ہاتھوں غریب مزدور اور کاشتکار کا جو استحصال ہو رہا ہے، جبکہ زمین کا معتدبہ حصہ بلا کاشت پڑا رہتا ہے اور قومی پیداوار متاثر ہوتی ہے،

---

(۱) اسلامی بینکاری کے سلسلہ میں اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی مرتب کردہ رپورٹ اسلامی معاشیات کے ماہرین سے سند قبولیت حاصل کر چکی ہے، جس کو سامنے رکھا جانا چاہیئے - بین الاقوامی اسلامی معاشیات کانفرنس منعقدہ اسلام آباد مورخہ ۶ تا ۱۱ جنوری ۱۹۸۱ء کی رائے میں یہ ایک تاریخی دستاویز ہے جو کئی صدیوں کے بعد منصہ شہود پر آئی ہے اور بین الاقوامی اسلامی معاشیات کانفرنس اسلام آباد مورخہ ۱۹ تا ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء میں زور دیا گیا کہ اس رپورٹ کی سفارشات کو عملی جامہ پہنایا جائے - یہ رپورٹ اصلاً انگریزی میں تیار کی گئی تھی - کونسل نے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا تھا اور اب ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کے اسلامی اقتصادی مرکز کی جانب سے اس کا عربی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے -

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کا تدارک کیا جا سکے ۔ اسلام میں انفرادی ملکیت اور حکومت کی جانب سے تحدید (پابندیوں) کا جائزہ لے کر یہ بھی طے کرنا چاہیئے کہ کیا حکومت حقیقی کاشتکاروں کو وہ زمین دے سکتی ہے ؟ اس کے لئے غیر حاضر زمینداری سسٹم (Absentee Landlordism) کا جدید حالات اور تقاضوں کی روشنی میں جائزہ لیا جائے ۔

ج ۔ بیمہ کے رائج الوقت قوانین کا جائزہ لینا ہوگا ۔ نیز یہ کہ کیا زندگی ، اموال اور حادثے کے بیمہ کا ایک ہی حکم ہے ؟ ۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ جدید بیمہ کی تمام اقسام کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ اکثریت ماسوا "تامین التعاون" (باہمی کفالت کے معاہدہ) بیمہ کے جواز کو تسلیم نہیں کرتی" ۔ (۱)

د ۔ اسلامی نظام عدل کے بعض جدید پہلوؤں پر بھی ایک ماہرانہ نگاہ ڈالنا ہوگی اور فیصلے کرنے ہوں گے ۔

ہ ۔ اکیڈمی کو اسلامی نظام حکومت کے بارے میں ایک رپورٹ کی تیاری کی طرف بھی بالآخر متوجہ ہونا پڑے گا ۔ (۲)

و ۔ جدید زندگی کے نئے انکشافات کی روشنی میں بعض مسائل مثلاً انسانی اعضاء کی پیوندکاری ، ٹیوب بے بی کی جائز النسبی اور وراثت کا مسئلہ ، تمثیل کاری ، سینما اور تصویر کشی کے مسائل وغیرہ پر بھی رائے دینا ہوگی ۔

---

(۱) ۔ بیمہ کی شرعی حیثیت کے بارے میں مجمع البحوث الاسلامیہ مصر اور مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ (بھارت) اور دنیائے اسلام کے ممتاز علمائ و مفکرین کی تحقیقی آراء سامنے آ چکی ہیں ۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل بھی اس اہم موضوع پر کام کر رہی ہے ۔

(۲) تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا کہ الازہر نے اس سلسلہ میں ایک خاکہ مرتب کیا تھا ۔ اسلامی نظریاتی کونسل ، پاکستان بھی اپنی رپورٹ حکومت کو دے چکی ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۔ تقویم ہجری کے بارے میں بین الاسلامی نظام کے تحت کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔

غرض یہ اور اس قسم کے دیگر مسائل ہیں جن کو لائحہ عمل میں شامل کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ نکات فقہی مسائل سے متعلق ان استصوابات (References) کے علاوہ ہوں گے جو ممبر اسلامی ممالک کی جانب سے وقتاً فوقتاً اکیڈمی کو موصول ہوں گے اور جن کے جوابات بعجلت ممکنہ دینا ہوں گے۔ اس سلسلہ میں ممبر مسلم ممالک کے فقہی اداروں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ (۱)

یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور ساتھ ہی نازک بھی۔ کیونکہ کتاب وسنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے روح عصر کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ چنانچہ اس اجتماعی اجتہاد کے لئے متعدد خاص علمی کمیٹیاں تشکیل دینا ہوں گی جو مستقلاً ہیڈ کوارٹر (جدہ) میں بیٹھ کر کام کریں گی۔ اور جب یہ مجالس تشکیل پاجائیں تو شریعت اسلامی کی مکمل تقنین (قانون سازی) کا کام بھی جدید انداز پر شروع کیا جاسکتا ہے، جس میں تمام اصول وفروع اور قضایا اور متعلقات جمع کر دیئے جائیں تاکہ جو حکومتیں اپنے یہاں انہیں نافذ کرنا چاہیں ان مجموعہ قوانین اسلامی سے استفادہ کر سکیں۔ (۲)

---

(۱) پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کی وہ آراء جو حکومت کی جانب سے موصول ہونے والے استفسارات کے جواب میں مرتب کی گئیں، ان استصوابات کی تعداد سو کے لگ بھگ یا اس سے زائد ہوگی، اکیڈمی کی خواہش پر کونسل حکومت پاکستان کی اجازت سے ان آراء کی نقول پیش کر سکتی ہے۔

(۲) مجمع البحوث الاسلامیۃ الازہر نے مختلف مذاہب فقہ کے بموجب علیحدہ علیحدہ تقنین کی ہے۔ پاکستان میں مجموعہ قوانین اسلام کے نام سے اس ناچیز نے چھ جلدوں میں تمام مذاہب فقہ کو سامنے رکھ کر فقہ اسلامی کی تدوین جدید کی ہے۔ یہ کام جاری ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ اکیڈمی کی جانب سے مجوزہ مجموعہ قوانین معروف اسلامی فقہی میراث کو سامنے رکھ کر ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ یہ ہماری مشترک میراث امت کی روح ہے۔ الحمدللہ اسلامی فقہ کی تاریخ بڑی شاندار ہے اور ہم اس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ لیکن مسائل صرف ماضی پر فخر کرنے سے حل نہیں ہوا کرتے۔ اس ماضی کی میراث کی روشنی میں حال کی مقتضیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستقبل کی تعمیر کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی اور یہ کوشش علمی سطح پر مربوط اور مستحکم ہونا ضروری ہے۔

اور سب سے آخر میں بلکہ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس اکیڈمی کو تمام سیاسی اختلافات سے بالاتر رکھنا ہوگا۔ اگر سیاسی اختلافات کے سبب اس اکیڈمی میں گروہ بندی ہوگئی تو یہ اس کے لئے زہر قاتل ثابت ہوگی۔

اس اکیڈمی کے ذریعہ ہم کو یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم خیر امت ہیں، امت وسط اور امت عدل ہیں۔ لوگوں کی ہدایت کا فریضہ ہمارے سپرد ہے تاکہ ہدایت کے لئے ہم لوگوں کے گواہ بنیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گواہ بنیں کہ ہم نے وہ فریضہ بطریق احسن پورا کر دیا۔ وما علینا الا البلاغ

---

toobaa-elibrary.blogspot.com

ضمیمہ

اجتہاد کا نظریہ اور اسلامی ادب میں اس کے مضمرات

(یہ مقالہ پندرہویں صدی ہجری کی تقریبات کے سلسلے میں زرعی یونیورسٹی پشاور بتاریخ ۱۱ صفر ۱۴۰۲ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۸۱ء، پڑھا گیا۔

اجتہاد کا لفظ "جہد" سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ایسی کوشش کے ہیں جس میں مشقت شامل ہو۔ اجتہاد اپنے اصطلاحی معنی میں فکر و استنباط کے ذریعے حکم شرعی معلوم کرنے کا نام ہے اجتہاد اپنے شرعی معنی میں اس مربوط اور منظم طریقہ استنباط کا نام ہے کہ جب کسی مسئلے کے بارے میں قرآن و سنت کی نص موجود نہ ہو، اسے قرآن و سنت کی تعلیمات میں مضمر اصولوں کو سامنے رکھ کر اصول قیاس کے تحت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر حکم شرعی معلوم کیا جائے۔

یہ چیز ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں جسے حدیث معاذ کہا جاتا ہے۔ زیادہ وضاحت اور قطعیت کے ساتھ ملتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا تو ان سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ فیصلے کے لئے لایا جائے گا۔ تو تم اس کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں مقدمات کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا۔ لیکن اگر تمہیں قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم نہ ملے جس سے رہنمائی حاصل کر سکو تو اس صورت میں کیا کرو گے؟ "میں ایسی صورت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت پر عمل کروں گا۔" اگر سنت بھی اس مسئلے میں خاموش ہو تو؟ "میں اس مسئلے کا فیصلہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اپنے اجتہاد سے کروں گا" معاذ بن جبل نے جواب دیا۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس مسئلہ میں قرآن کریم یا سنت نبوی کا حکم موجود ہو اس میں اجتہا جائز نہیں بلکہ مردود ہے۔ البتہ جس کسی مسئلہ کے حکم میں قرآن و سنت خاموش ہوں، ان میں اجتہاد نہ صرف جائز بلکہ محمود ہے۔

اجتہاد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجتہاد مطلق (Absolute Ijthad اور دوسری اجتہاد اضافی (Relative Ijthad کسی ایسے مسئلے میں حکم شرعی معلوم کرنا جس کی کوئی نظیر یا صورت نہ تو قرآن و سنت میں موجود ہو اور نہ اجتہاد کے ذریعے پہلے کبھی معلوم کی گئی ہو۔ اجتہاد مطلق میں داخل ہے۔ جبکہ اجتہاد اضافی سے کسی ایسے مسئلے میں اجتہاد کرنا مراد ہے جس کی نظیر یا صورت پہلے سے کسی مسئلہ میں قیاس کے ذریعے معلوم ہو اور پہلے مسئلہ کے حکم پر قیاس کر کے اس دوسرے مشابہ مسئلہ میں حکم لگا دیا جائے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں تین چار صدی تک ایسے فقہاء موجود رہے ہیں جو اجتہاد مطلق کی صلاحیت و قابلیت سے آراستہ تھے۔ لیکن بعد کے ادوار میں، منظم مکاتب فقہ کے فکری تسلط کے باعث مطلق اجتہاد کی صلاحیت ختم ہو گئی اور اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور اس کی جگہ تقلید یعنی ائمہ فقہ کی قدیم آراء کے غیر مشروط اتباع نے لے لی۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مطلق اجتہاد کا دروازہ درحقیقت سیاسی اسباب کی بناء پر بند کیا گیا تھا۔ تاکہ مطلق العنان بادشاہ اور حکمران اپنے مستبدانہ اقدامات کے لئے اسلام کے نام پر قانونی جواز حاصل کر کے مسلم معاشرے میں انتشار اور افراتفری کی فضا پیدا نہ کر سکیں۔ گویا اجتہا کا دروازہ بند کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ رب العزت کے دین کو بدعات وجدت پسندی اور ذاتی

toobaa-elibrary.blogspot.com

رجحانات وخواہشات کی آلائش سے پاک رکھا جائے۔ تاکہ اسلام کے قانونی نظام کی، بقاء اور دوام واستحکام کی ضمانت حاصل ہو سکے جسے اپنی تشکیلی اور نشو ونما کے ابتدائی دور میں بہت سے تنازعات اور گہرے اختلافات کی وسیع خلیج سے گزرنا پڑا تھا۔

اسلام کی تاریخ میں جو اسباب دروازہ اجتہاد کے بند ہونے اور تقلیدی رویے کے اپنائے جانے کا باعث بنے وہ بڑی حد تک اسلام میں بے جا عقلیت پسندی کے رجحانات اسلامی تصوف پر مسیحیت کے اثرات اور خاص طور پر بغداد کی تباہی کے سبب پیدا ہوئے تھے۔ ان اسباب نے اسلام کی فکری نشو ونما کو تقریباً مفلوج بنا کر رکھ دیا تھا۔

البتہ بعد کے ادوار میں بھی کچھ ایسے افراد پیدا ہوئے جو اپنی ذاتی حیثیت میں اضافی اجتہاد کا فریضہ انجام دیتے رہے لیکن یہ عمل صرف ان کے اپنے اپنے مذاہب فقہ کی حدود کے اندر رہا۔ یعنی ان مسائل کی حد تک جو فقہی مذاہب کے بانیوں نے غیر حل شدہ چھوڑ دیئے تھے۔ اس کے علاوہ بعض صورتوں میں اجتہاد کا عمل مختلف مذاہب کی قانونی آراء کے تقابلی مطالعے اور متفرق مسائل کے انتخاب و ترجیح کی صورت میں بھی جاری رہا۔ اور اس طرح معاملے کے کسی خاص پہلو پر غور وفکر کے ذریعہ اسلامی فقہ کے دائرے میں جو وسعت پیدا ہوئی اس سے اضافی اجتہاد کے لئے بھی مواقع پیدا ہوتے رہے۔

گزشتہ دس صدی کے دوران میں صرف ایک ممتاز فقیہ ایسا پیدا ہوا، جو بجا طور پر یہ حق رکھتا تھا کہ مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کرے اور اس نے یہ دعویٰ کیا۔ یعنی امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۷۲۸ھ)۔

برعظیم پاکستان وہند کی حالیہ تاریخ میں حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی کا نام

toobaa-elibrary.blogspot.com

نامی اسم گرامی بھی بجا طور پر اس کا مستحق ہے کہ امام ابن تیمیہ کے بعد بحیثیت مجتہد منتسب ان کا تذکرہ کیا جائے۔ شاہ صاحب نے اس ضرورت پر زور دیا کہ نئے زمانے اور بدلتی ہوئی معاشرتی اقدار کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی فکر کے بنیادی سرچشموں کی ازسرِ نو تعبیر و تشریح کی جانی چاہیے۔ پاکستان میں ڈاکٹر سر محمد اقبال (متوفی ۱۹۳۸ء) اگرچہ خود مجتہد یا عالم دین نہ تھے، لیکن اپنے دور میں اجتہاد کے سب سے بڑے داعی تھے، اور آج کل انہیں ان تمام لوگوں کا پیشرو سمجھا جاتا ہے جو پاکستان میں اجتہاد کی تبلیغ اور وکالت کے فرائض انجام دے رہے ہیں

ہمارا آج کا مسلم معاشرہ بے شمار سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل سے دوچار ہے جنہیں صرف اس صورت میں حل کیا جا سکتا ہے جبکہ ہم اجتہاد سے کام لیں خصوصاً ایسے معاملات میں جن کے متعلق قرآن مجید یا سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کوئی براہ راست اور واضح نص موجود نہیں۔ ایسے مسائل کے ضمن میں ہم موجودہ تجارتی لین دین اور اس سے متعلقہ امور کا ذکر کر سکتے ہیں جن میں بیمہ، ذاتی ملکیت کا حق، قومی ملکیت میں لے لینے کا تصور، جدید مالی قوانین اور محاصل نظام حکومت، اسمبلیوں کے لئے عوامی نمائندوں اور سربراہ مملکت کے انتخاب کا طریقہ، مغرب کے جمہوری معمولات کے سیاق و سباق کے حوالے سے بالغ رائے دہی کا نظام، بین الاقوامی قانون سے متعلق مسائل جیسے دار الاسلام کے قدیم تصور کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم ممالک کے مسلمانوں کی قومیت اور جائے بود و باش سے تعلق رکھنے والے معاملات اور اسی طرح بہت سے دوسرے مسائل۔

اجتہاد کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اسے کسی صورت اور حالت میں قرآن و سنت کے احکام کے خلاف نہ ہونا چاہیے۔ اسے لازمی طور پر اسلامی مقاصد سے ہم آہنگ ہونا چاہیئے، جو افراد یا جماعتیں انفرادی طور پر یا اجتماعی صورت میں اجتہاد سے کام لیں انہیں نہ صرف یہ کہ دینی علوم اور ان کے اصول و کلیات سے مکمل طور پر آگاہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحبان تقویٰ اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل ہوں تاکہ وہ دینی مسائل میں استنباط و استخراج کا فریضہ اپنی ذاتی پسند و ناپسند اور نفسانی خواہشات و احساسات کے تقاضوں سے بالاتر رہ کر انجام دے سکیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اجتہاد کی وہ کون سے حدود ہیں جن کا اسلامی معاشرے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق متعلقہ قوانین میں ترمیم و اصلاح کے دوران ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے؟ بالفاظ دیگر وہ کون سا طریقہ ہے جس کے ذریعے اسلامی نظام اجتہاد کو ہمارے جدید معاشرے میں بروئے کار آنا چاہیئے۔ جیسا کہ سب اہل علم جانتے ہیں، اجتہاد کے ذریعے جو بات جاننے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ قانون کیا ہے؟ گویا اجتہاد کے ذریعے قانون میں ترمیم نہیں کی جاتی بلکہ اس کے ذریعہ قانون سے آگاہی حاصل کی جاتی ہے۔

چنانچہ اصول اجتہاد کے تحت وہ تمام معاملات جن کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور ہدایات واضح اور قطعی ہیں، ان میں کسی ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح جن معاملات پر کتاب و سنت کی روشنی میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہو چکا، ان سے انحراف ممکن نہیں کیونکہ صحابہ کرام شاہدین اوّل ہیں۔ انہی کی روایت کے ذریعے ہم تک قرآن پہنچا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض تھے۔ اور علوم نبوت کے براہ راست حامل اور شارح تھے۔ اور جو علم صحابہ کرام نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور اس کی تعبیر و تشریح معلم کتاب کی منشاء و مراد ہے البتہ وہ مسائل و معاملات جن کے بارے میں کتاب و سنت کی عبارات مختلف یا ایک سے زائد معنی کی محتمل ہیں اور ان کی تعبیر و تشریح میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، ان کے متعلق امت کے فقہاء عابدین، ماحول، مقتضیات اور مملکت کے مفاد کے پیش نظر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسی ایک تعبیر و تشریح کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ یا کوئی جدید تعبیر و تشریح اختیار کر سکتے ہیں اور جن مسائل کے بارے میں اصل ہدایات تو کتاب و سنت میں موجود ہیں لیکن تفصیلات اور جزوئیات موجود نہیں ان کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے احکام وضع کئے جا سکتے ہیں اور اسی طرح وہ مسائل جن کا کتاب و سنت یا اسلامی فقہی ادب میں کوئی ذکر نہیں ہے، عہد حاضر کے جدید مسائل ہیں، ان کے متعلق اجتہاد کے ذریعے قوانین وضع کئے جا سکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ اجتہاد کے ذریعے وضع کئے جانے والے قوانین کتاب و سنت کی روح اور منشا کے خلاف یا منافی نہ ہوں

لہٰذا نہ صرف یہ کہ موجودہ دور میں اجتہاد کا جواز موجود ہے، بلکہ اس سے کام لیا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ صرف یہی ایک صورت ہے جس کے ذریعے ہم ترقی پذیر بنیادوں پر اسلامی معاشرے کی تجدید احیاء اور تنظیم نو کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ جس چیز کی ہمیں آج کے دور میں ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم صرف اسلامی تعلیمات اور ہدایات کی روشنی میں خارجی قوتوں اور مغرب کے ذہنی اور ثقافتی غلبے سے متاثر ہوئے بغیر اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیان کردہ ان اچھائیوں اور برائیوں کا اپنے اندر ادراک اور شعور پیدا کریں۔ یہاں میں تمام متعلقہ لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جب ہم اجتہاد کے عمل اور طریقے کی پیروی کریں تو ہمیں نص کی جانب سے بے توجہی نہ برتنی چاہیے اور نہ قرآن و سنت کے باقاعدہ علم سے بے بہرہ ہونے اور اسلامی قانون اور فلسفہ قانون کے اصولوں سے لاعلم ہونے کی غلطی کرنی چاہیے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام پاپائیت پر یقین نہیں رکھتا لیکن وہ ہر عمومی علم رکھنے والے شخص کو نہ یہ حق دیتا ہے اور نہ دے سکتا ہے کہ وہ اجتہاد کا اہم اور محنت طلب فریضہ اپنے ہاتھ میں لے۔ اجتہاد کا دروازہ بلاشبہ کھلا ہے لیکن داخلے کا حق صرف ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

لوگوں کو حاصل ہے جو اجتہاد کی تمام شرائط پوری کرتے ہوں، یعنی علم دین بھی رکھتے ہوں اور پارسائی کی زندگی بھی بسر کرتے ہوں۔

میں اس سے پہلے اجتہاد کی دو اقسام، ایک مطلق اور دوسری اضافی ذکر کر چکا ہوں۔ اگر ہم گزشتہ صدی کے اسلامی ادب میں قانون سازی کے حالیہ مضمرات کا مطالعہ کریں جس کا آغاز اکثر اسلامی ممالک میں موجودہ صدی کے ربع اوّل میں ہوا، تو ہمیں بہت سی ایسی قانونی دفعات ملیں گی، خصوصاً عائلی قوانین جن میں اضافی اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ترکی، پاکستان اور ایران کے قوانین ہیں، جن کی رو سے ہر ملک کے اپنے اپنے قوانین نکاح میں بعض جزئی اختلافات کے ساتھ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ طلاق کا اندراج یا توثیق ریاست کی مقرر کردہ کسی ہیئت (اتھارٹی) سے کروائی جائے۔ تعدد ازدواج کے معاملے میں بھی عراق، شام، مراکش، اردن، پاکستان اور کچھ دیگر اسلامی ممالک میں مردوں کے اس بلا قید اختیار پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں کہ وہ بیک وقت ایک سے زائد بیویاں اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہیں۔ تاہم تیونس کے قانون میں تعدد ازدواج پر مکمل پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس معاملے میں تیونس کا قانون دیگر مسلم ممالک کے مقابلہ میں منفرد ہے۔

مصر میں تمام طلاقیں، سوائے اس طلاق کے جو دخول سے پہلے دی گئی ہو یا وہ جس کا معاوضہ لے لیا گیا ہو یا وہ تین طلاقیں جو تین طہروں میں دی گئی ہوں ۱۹۲۹ء کے قانون کی روح سے رجعی قرار دے دی گئی ہیں۔ سوڈان میں ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مطابق ایک وقت میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دے دیا گیا ہے۔ شام میں بھی ایکٹ ۱۹۵۳ء کی رو سے ایسا ہی قانون اپنایا گیا ہے جیسا مصر میں رائج ہے۔ عراق، مراکش اور اردن میں بھی انہی خطوط پر قانون

toobaa-elibrary.blogspot.com

بنائے گئے ہیں۔ تاہم لبنان اور انڈونیشیا میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو غیر رجعی سمجھا جاتا ہے اور مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ حلالہ کے بغیر اس عورت سے دوبارہ نکاح کر لے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی یہی صورت رائج ہے پاکستان میں عائلی قوانین کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء کے تحت طلاق سوائے اس صورت کے جب کہ اس سے رجوع کر لیا گیا ہو۔ یونین کمیٹی کے چیئرمین کو خاوند کی جانب سے جس نے طلاق دی ہے، قطع نظر اس امر کے کہ ایک طلاق دی ہے یا دو یا تین یا زیادہ طلاقیں اور یہ کہ ایک وقت میں دی ہیں یا مختلف اوقات میں، طلاق کا نوٹس ملنے کی تاریخ سے نوے دن گزر جانے کے بعد موثر ہوتی ہے۔

قانون وراثت میں روایتی قانون کے مطابق یتیم پوتے پوتیاں اپنے دادا کی وراثت سے محروم رہتے ہیں۔ لیکن مصر کے قانون انتظام وصیت مجریہ ۱۹۴۶ء کے تحت لازمی میراث کا طریقہ رائج کیا گیا ہے، جس کے مطابق یتیم پوتوں پوتیوں کو اپنے دادا کی میراث میں اتنے حصے کا مستحق قرار دیا گیا ہے جتنا حصہ ان کے والدین کو زندہ ہونے کی صورت میں ملتا۔ تاہم یہ حصہ کل میراث کے ایک تہائی حصے سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ لازمی میراث کا یہ طریقہ شام نے ۱۹۵۳ء میں تیونس نے ۱۹۵۷ء میں مراکش نے ۱۹۵۸ء میں اور عراق نے ۱۹۵۹ء میں اپنایا۔ تاہم شامی اور مراکشی قوانین کے مطابق "لازمی میراث" کا یہ طریقہ صرف فوت شدہ بیٹے کی اولاد تک محدود ہے، فوت شدہ بیٹی کی اولاد پر اس قانون کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف پاکستان میں عائلی قوانین کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء کی رو سے دادا کی میراث میں یتیم پوتوں پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے حصے کے متعلق قرار دیا گیا ہے کہ۔

اگر جانشینی کا آغاز ہونے سے پہلے مورث کا کوئی بیٹا
یا بیٹی وفات پا چکی ہو تو اس بیٹے یا بیٹی کی اولاد جو

toobaa-elibrary.blogspot.com

آغا جانشینی کے وقت زندہ موجود ہو حسب مراتب اس حصے کے مساوی حصّہ وصول کرلے گی جتنا حصّہ اس بیٹے یا بیٹی کو ملتا اگر وہ زندہ ہوتے۔"

اس معاملے میں پاکستان کا قانون دیگر اسلامی ممالک کے قانون سے بالکل مختلف ہے اوقاف کے معاملے میں جن میں وقف علی الاولاد بھی شامل ہے۔ مصر کے قانون وقف مجریہ ۱۹۴۶ء کی رو سے بنیادی تبدیلیاں بروئے کار لائی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وقف خیراتی ہو تو یہ عارضی اور مستقل دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ لیکن اگر وقف خیراتی نہ ہو تو مستقل طور پر اسے وقف کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ وقف علی الاولاد کی مدت، حیات واقف کو مستثنیٰ کرتے ہوئے صرف دو نسلوں یا ساٹھ سال تک، جو بھی پہلے ختم ہو، محدود کر دی گئی ہے۔ تاہم کسی مسجد کے وقف یا مسجد کے حق میں وقف کو، اگر وہ محدود مدت کے لئے ہو تو اسے ناجائز قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ایسا وقف مستقل بنیادوں پر کیا جائے لبنان میں بھی اوقاف کی قانونی حیثیت یہی ہے جبکہ بہت سے دوسرے ممالک میں جہاں مسلمان آباد ہیں۔ اوقاف کا روایتی قانون رائج ہے۔

آپ کی خدمت میں یہ مثالیں پیش کرنے سے میرا مقصد ان اختلافات کا اندازہ کرانا ہے جو مسلم ممالک کی قانون سازی میں نمایاں ہو رہے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے کوئی بھی ملک نص یعنی قرآن و سنت کی ظاہری عبارت کو ترک کرنے کا دعویدار نہیں ہے اس صورت حال سے بخوبی عہدہ برآ ہونے اور اجتہاد کے میدان میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے واحد حل یہ ہے کہ مسلم فقہاء کا ایک عالمی ادارہ قائم کیا جانا چاہیے جس میں عالم اسلام کے نمایاں صلاحیت رکھنے والے محققین اور فقہاء کو نمائندگی حاصل ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الحمد اللہ کہ اس سلسلہ میں اجتماعی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے اس حقیر نے مؤتمر عالم اسلامی کی عالمی کانفرنس منعقدہ ۱۹۶۷ء بمقام کراچی میں مسلم فیملی لاز پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے ایک مسلم ورلڈ جورلسٹس کمیشن کے قیام کی تجویز پیش کی تھی (ملاحظہ ہو شمارہ مارننگ نیوز کراچی ۵ جولائی ۱۹۶۷ء) اس تجویز کی بازگشت بارہ سال بعد بمقام فیض (مراکش) میں ہونے والی اسلامی وزراء خارجہ کی کانفرنس منعقدہ مئی ۱۹۷۹ء میں سنائی دی جس میں مسلم ماہرین قانون کی ایک بین الاقوامی آرگنائزیشن کے قیام کی سفارش کی گئی ۷ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں پاکستان میں منعقد ہونے والے شریعت سیمینار میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اس تجویز کو پیش کیا کہ انٹرنیشنل اسلامک لاء کمیشن قائم کیا جائے۔ اس تجویز کو "اعلان اسلام آباد" میں شامل کیا گیا۔ بعدازاں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جنوری لطایت ۲۹ جنوری میں اس تجویز کو منظور کیا گیا جو "اعلان مکہ" میں موجود ہے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل بھی کی گئی۔ اس کمیٹی نے اپنے متعدد اجلاسوں میں اس تجویز کو مفصل قانونی شکل دے دی ہے جو امید ہے کہ آئندہ منعقد ہونے والی اسلامی وزراء خارجہ کانفرنس میں منظور ہو جائے گی۔ اور اس طرح بین الاقوامی اسلامی کمیشن کی تشکیل عمل میں آجائے گی۔ راقم الحروف کو بحیثیت چیئرمین، اسلامی نظریاتی کونسل اس مسودہ کو دیکھنے اور رائے دینے کا موقع ملا ہے امید ہے کہ مجوزہ اقدامات کے روبعمل آنے سے عالم اسلام کی ایک اہم ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اور ہم مستقبل قریب میں ایک ایسے بین الاقوامی اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جس کا قیام اسلام کا حقیقی منشاء و مقصود ہے۔

ایسا کمیشن جدید دور میں ادارہ اجماع کے اغراض و مقاصد پورے کرے گا اور فقہی ذکاوت کے ذریعے قبولیت عام کی ضمانت مہیا کرے گا۔ اور امت کی اجتماعی

toobaa-elibrary.blogspot.com

خواہش کے لئے قابل قبول بھی ہو گا۔ اس عمل میں قرآن وسنت کی تعلیمات کی حدود میں رہتے ہوئے اور وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اجتہاد کے طریقے پر عمل پیرا ہو کر قوانین کو وسیع تر بنیادوں پر تمام مسلّمہ فقہی مذاہب کے اسلامی قانون کے کل ذخیرہ کتب ومواد پر مبنی ہونا چاہیئے اور ان قوانین کی تدوین کے لئے کسی ایک فقہی مسلک پر انحصار نہ کرنا چاہیئے۔

ہمیں یقین ہے کہ اجتہاد کا عمل اپنا شاندار کردار ادا کرے گا اور جدید دور میں اسلام کی ذہنی وفکری نشاۃ ثانیہ میں براہ راست اور بھرپور حصّہ لے گا۔ صرف اجتہاد ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم جدید تہذیب کے چیلنج کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں اس وقت جو جمود پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ اور اس کی جگہ ایک نئی قوت حیات اور بالقوہ نشوونما بروئے کار آجائے گی۔ اجتہاد امت مسلّمہ کے جذباتی اتحاد کے احیاء میں بھی مددگار ثابت ہو گا اور اس کے نتیجے میں بلاشبہ ساری دنیا کے مسلمان ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے اور یہ وہ چیز ہے جو ہمارا بنیادی مقصد ہے یعنی عالم اسلام کا اتحاد۔

۱۱۔ صفر ۱۴۰۲ھ

۹، دسمبر ۱۹۸۱ء

(تنزیل الرحمٰن)

AF-1492

toobaa-elibrary.blogspot.com